اردو مرکز لائبریری

اردو ادب کی گراں مایہ قدرتی نظموں کا علمی انتخاب

تصویرِ مناظر

جلد اوّل

مرتبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر ڈی ایس کالج ایڈیٹر اتحاد

باعانت

حضرات ارکین اردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

اُردو مرکز لاہور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دار السلطنت لاہو

میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لیئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے۔

(۱) اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اُس جاندار اور مفید حصے کو جو محفوظ

رکھنے کے قابل ہے۔ حتی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا۔

(۲) اُردو زبان کی مکمل انسائیکلو پیڈیا کی تالیف۔

(۳) ایک جامع اُردو لغات کی ترتیب۔

(۴) اُردو مرکز کی مجلس ادبا (جو درحقیقت اردو زبان کے لیئے ایک ادبی دار الافتاء

کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے

متعلق ناطق فیصلہ کرنا۔

ایک باوقار علمی جماعت جسمیں ملک کے سربرآوردہ اہلِ قلم اور منتخب انشاپرداز شریک ہیں

اُردو مرکز مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کیئے

ہوئے ہے اسکی پہلی زریں کوشش تیس گرانقدر مجلدات کی صورت میں قدر شناس نگاہوں کے سامنے

پیش کی جاتی ہے۔ آنریبل سر شیخ عبدالقادر بالقابہ۔ خان بہادر شیخ نور الٰہی آئی۔ ای۔ ایس۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے نقادانِ ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلدات

جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دیئے ہیں۔ قدر شناس اہلِ نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو ہم

کم و بیش ڈیڑھ سو مجلدات شائع کرکے اردو مصنّفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کردینگے۔

تاجور نجیب آبادی۔ پروفیسر دیال سنگھ کالج۔ ایڈیٹر اتحاد و چیف ایڈیٹر اردو مرکز لاہور
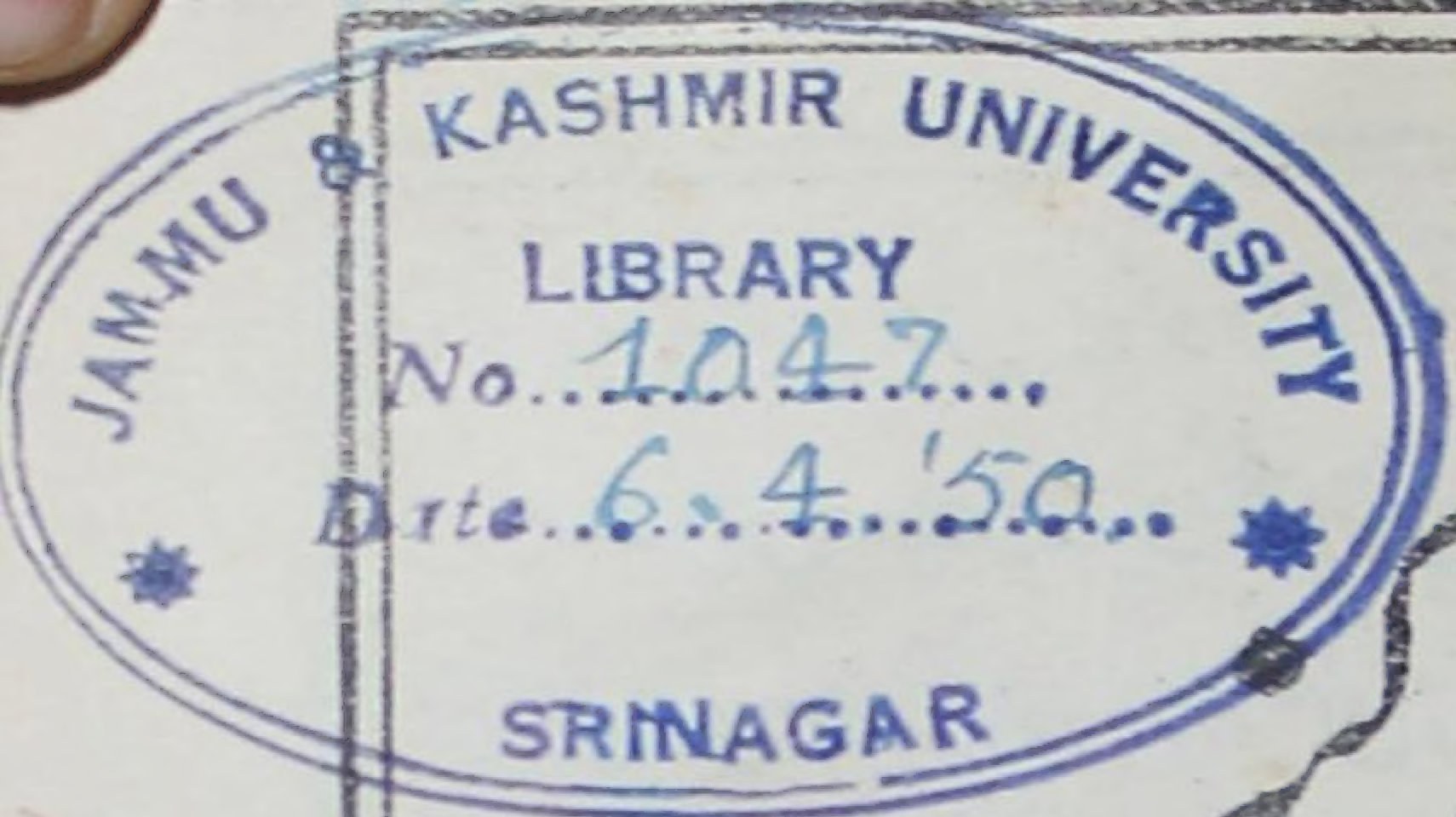
اُردو مرکز

اُردو کی کم مائگی اور اس کی بے بضاعتی کی داستان اگرچہ اب ایک افسانۂ کہن ہوگئی ہے تاہم بعض ارباب علم و فن کے حلقوں میں اس کا اعادہ اب بھی اُسی سنجیدگی و بلند آہنگی سے کیا جاتا ہے جس طرح اب سے پچیس تیس برس قبل کیا جاتا تھا۔ اسکی وجہ صرف یہی نہیں کہ ممالک غیر کے انشا و ادب کی تابانیوں نے اُن کی نگاہیں خیرہ کر دی ہیں اور اُن کے نزدیک اُردو ادب و شاعری عبارت ہے چند سطحی پُر مبالغہ و بے کیف مجموعۂ نظم و نثر سے۔ بلکہ اس کے علاوہ وہ بداہتہً یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اردو ادب و شاعری کا سب سے بڑا علمبردار بھی جب اُردو لٹریچر کی حمایت میں زبان و قلم کو جنبش دیتا ہے تو ایسی سطحی نمونۂ نثر اور پست و پامال شعریت پر گرم تواجد نظر آتا ہے جسے مذاق عالیہ کی بارگاہ صرف بے توجہی و بے اعتنائی کا مستحق سمجھتی ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ اُردو نظم و نثر کے بیشتر نمونے ہندوستانیوں کے زمانۂ انحطاط و تنزل کی پیداوار اور ہماری پستی و نکبت کے پس ماندہ آثار و یادگار ہیں اور اس طرح اُردو ادبیات کا تمام صالح و غیر صالح سرمایہ باہم خلط ملط ہو کر رطب و یابس کا ایک انبار ضخیم بن گیا ہے۔ ان حالات میں ایک طرف تو وہ بلند علمی طبقہ

اس سے بد دل ہو کر اُسے قطعاً ناقابل توجہ سمجھنے لگا دوسری طرف ایک جماعت ایسی ہے جو اپنی مُلکی زبان اور وطنی انشاؤ ادب سے والہانہ جوش میں اس کی انتہائی حمایت پر آمادہ ہے لیکن زندگی کے دیگر مشاغل اور اُس کی شدید مصروفیتوں کے باعث اُسے اتنی فرصت نہیں کہ اس تمام ذخیرۂ خس و خاشاک سے کارآمد و جاندار حصے کو الگ کرکے اردو ادب کی حقیقی قدر آشنا ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج موافق و مخالف دونوں اُس کی قدر و قیمت کے اصلی اندازے سے محروم ہیں۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ اُردو کو تہی مایہ اور بے بضاعت کہنا ایک طرح پر فیشن میں داخل ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ یونیورسٹیوں ٹیکسٹ بک کمیٹیوں اور کونسلوں وغیرہ میں بھی وقتاً فوقتاً اور موقع بے موقع اُس کی تہی مائیگی اور بے بضاعتی کا غلغلہ بلند کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت آشنا اصحاب اس خیال سے کبھی متفق نہیں ہوتے۔ جن لوگوں نے اُردو کی فہرستہائے کتب پر کبھی نظر ڈالی ہے اور لائبریریوں میں جا کر نادر الوجود قلمی و مطبوعہ نسخوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اُردو زبان ایک بحر بیکران ہے جس کا دامن نابدار موتیوں کا ایک سیر حاصل جلوہ زار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُردو ادبیات کا دامن رطب و یابس کے بدنما داغوں سے کلیتہً پاک نہیں لیکن یہ عیب دُنیا کی اُن ترقی یافتہ زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو فی زمانہ علمی زبانیں کہلاتی ہیں۔ اگر اُردو میں پست و پامال لٹریچر کی اشاعت بڑی کثرت و سرعت سے ہو رہی ہے۔ تو انگریزی میں بھی چار آنے کے لکھنے والے مصنفین کی تعداد کسی طرح کم نہیں۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ اُن کی

تصانیف بلا استثنا مبتذل اور سوقیانہ انداز کی ہوتی ہیں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں انگریزی لٹریچر کی فضیلت کے ثبوت میں ملٹن ۔ شیکسپیئر ۔ شیلے ۔ ورڈسورتھ ۔ جانسن میکالے اور رائڈر ہیگرڈ وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں ۔ وہاں اُردو ادبیات کی محفل بھی میر و غالب ۔ انیس اور دبیر ۔ حسن اور نسیم ۔ داغ اور حالی ۔ آزاد اور نذیر احمد ۔ سرشار اور شرر ۔ سر سید اور شبلی ۔ اکبر اور اقبال جیسی بلند پایہ شخصیتوں سے خالی نہیں ❖

اس میں شک نہیں کہ اُردو حکمران قوم کی زبان نہ ہونے کے باعث اس قدردانی سے محروم ہے جو ہندوستان کے بیس کروڑ باشندوں میں تبادلۂ خیالات کے آسان ترین وسیلہ کی حیثیت سے اُس کا جائز حق ہونا چاہئیے ۔ مگر اُس کی بے بضاعتی کا رونا اس کی اور اُس کے اہل قلم کی ناقدری سے زیادہ ان مفروضہ اثرات پر مبنی ہے ۔ جو کسی چیز کی ناقدری اور کس مپرسی کے قدرتی عواقب سمجھے جاتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ اس کا محرک یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر اُردو کو بے مایہ اور تہی دامن نہ کہا جائیگا ۔ تو کہنے والے کی ہمہ دانی ۔ وسعت مطالعہ بلکہ خوش مذاقی پر بھی حرف آئیگا ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اُردو نے اس کس مپرسی کی حالت میں بھی جملہ مراحل ارتقا کو حیرت آفرین سرعت سے طے کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ خداداد اہلیت اپنے اظہار کے اسباب خود مہیا کر لیتی ہے ۔ یہ ناقابل انکار صداقت ہمیشہ کے

لئے مستور نہیں رہ سکتی کہ رطب و یابس کے اِس انبار اور خس و خاشاک کے اس ذخیرہ میں جو آجکل اصطلاح عامہ میں اُردو لٹریچر کا دوسرا نام ہے۔ اس قدر مسالہ موجود ہے کہ اگر اس کی طباعت کا انتظام مناسب اہتمام کے ساتھ کیا جائے تو ممتاز سے ممتاز لائبریریوں کی زینت میں گرانبہا اضافہ ہو سکتا ہے۔

اُردو مرکز کے سلسلے میں ہمیں اُردو لٹریچر کے وسیع مطالعہ سے جو تجربہ ہوا اُس کی بنا پر علی رؤس الاشہاد ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ اُردو لٹریچر کے منتخبات سے یونیورسٹی کے تمام اعلیٰ مدارج کے لئے کورس تیار ہو سکتے ہیں۔

"خدمت زبان" اور "خدمت ادب" کی جو صدا تمام طول و عرض ہند میں گونجی ہوئی ہے اور ملک کے بہتر سے بہتر دل و دماغ اِس کے لئے جس طرح وقف کار و جد و جہد ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ بہت اُمید افزا ہے مگر اُسی کے ساتھ ہم اِس اظہار خیال سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ تعلیم و تربیت کے ابتدائی منازل سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ طبقات علمی کے لئے جب تک اُردو ادب کے ایسے منتخب نمونے (جو ہمارے پست دور زندگی کے زہر آگین عناصر سے بالکلیہ پاک ہوں) کی ترویج و اشاعت کا انتظام نہ کیا جائیگا اور اِس طرح ملک میں جب تک ایک اعلیٰ اور صالح ذہنیت و صلاحیت نہ پیدا کیجائیگی اُسوقت تک "خدمتِ اُردو" کے سلسلے میں ہماری بڑی سے

بڑی سعی بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ بار آور نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ہم کامل یقین و وثوق کیساتھ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اردو اور اس کی ادبی خدمات کے ضمن میں سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ ایک ایسا سلسلۂ مجلدات تیار کیا جائے جسے حقیقی معنوں میں اپنا لٹریچر کہتے ہوئے ہم کوئی ندامت نہ محسوس کر سکیں۔ اس قسم کے منتخب لٹریچر کی اشاعت سے نہ صرف یہ کہ اردو میں ایک مخصوص تابناک دورِ حیات کا آغاز ہوگا بلکہ اس سے ہماری آیندہ نسلیں ادبی گمراہیوں سے محفوظ رہ کر ایک اعلیٰ ذہنیت اور معقول صلاحیت علمی کی بھی حامل ہو سکیں گی +

"ایک اچھی لائبریری ایک ارزاں یونیورسٹی ہے"

یہ کسی یوروپین مصنف کا قول ہے جس کی بلیغ معنویت اپنے اجمال وابہام میں بھی کسی مزید تفصیل و توضیح کی محتاج نہیں۔ اردو مرکز کے ان مقاصد عالیہ میں جو اردو مخزن العلوم کی تدوین اور اردو زبان کے دارالافتا کی تنظیم پر مشتمل ہیں اردو ادب کے نادر و کارآمد حصے کا تحفظ بھی داخل ہے چنانچہ مذکورہ خیالات کی بنا پر اس نے اپنے لائحہ عمل کی اولین دفعہ یہی رکھی ہے کہ اردو زبان نے اپنی موجودہ مدتِ حیات میں جو صالح اور جاندار ذخیرہ ادب تیار کیا ہے اسے مسلسل مجلدات میں ترتیب دے اور اس طرح اس یوروپین مصنف کے مذکورہ بالا قول میں خفیف سی ترمیم کر کے

"ایک اچھی یونیورسٹی ایک ارزان لائبریری کی شکل میں"

ملک کے سامنے پیش کر دے +

تجاویز اور "اسکیم بازی" خوش فکر دماغوں کا ایک عملِ تعیش ہے اصل سوال "ہو تو کیونکر ہو" کا ہے۔ اسلئے ہم نے سب سے پہلے ملک کے بعض مشاہیر سے اس باب میں استمزاج کیا۔ اردو مرکز کے نمایندگانِ خصوصی نے زحمتِ سفر برداشت کر کے بعض بزرگوں سے بالمشافہ گفتگو کی اور طریق انتخاب طریق کار کے متعلق اُن سے نہایت مفید مشورے بھی حاصل کیئے اُن بزرگوں میں سے مندرجۂ ذیل اصحاب کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں :-

علامہ عبد الحلیم شرر مرحوم - علامہ عمادی - مولینا عبد الماجد بی-اے مصنف فلسفہ جذبات و فلسفہ اجتماع - مرزا اعجاز حسین دہلوی بی-اے ایل-ایل-بی وکیل - مولینا سید غلام بھیک نیرنگ بی-اے وکیل پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم-اے لکچرار مسلم یونیورسٹی و مدیر سہیل علیگڈھ پروفیسر کشوری موہن مترا ایم-اے-ایم-آر-اے-ایس (لنڈن) مولینا سید جالب دہلوی ایڈیٹر "ہمدم" لکھنؤ - ڈاکٹر شانتی سروپ ایم-ایس-سی-ڈی-ایس سی یونیورسٹی پروفیسر - میاں بشیر احمد بی-اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا ایڈیٹر ہمایون - خان بہادر ڈاکٹر سر میاں محمد شفیع بیرسٹر ایٹ لا کے سی ایس-آئی-سی-آئی ای-ایل-ڈی ÷

مولینا سید راشد الخیری دہلوی ایڈیٹر رسالہ عصمت دہلی - چودھری فتح دین ایم-اے ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن - مولینا سید ناصر نذیر فراق دہلوی - چودھری محمد حسین صاحب بی-اے-پی-آی-ایس

ڈی۔آئی منٹگمری۔ شیخ ظہور الدین صاحب بی۔اے۔پی۔ای۔ایس
ڈی۔آئی۔لائل پور۔ خان بہادر مولوی خورشید احمد صاحب بی۔اے
ریٹائرڈ ڈویژنل انسپکٹر راولپنڈی۔ راجہ فاضل محمد خان صاحب بی۔اے
بی۔ای۔ایس ڈپٹی انسپکٹر راولپنڈی ڈویژن۔ چودھری غلام رسول
صاحب شوق ایم۔اے۔پی۔ای۔ایس۔ڈی۔آئی ڈیرہ غازیخان
خواجہ دل محمد صاحب ایم۔اے۔ایم آر۔اے۔ایس (لنڈن) پروفیسر
اسلامیہ کالج لاہور۔ مولینا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی
ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی
مولٰنا سالک ایڈیٹر انقلاب۔ مولینا حافظ احمد علی خان صاحب
منصرم کتب خانہ ریاست رام پور۔ مولینا خلیقی دہلوی۔
حضرت ہوش بلگرامی ایڈیٹر ذخیرہ ؁

اس کے علاوہ اور اکثر خوش مذاق حضرات سے جو اردو ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں تبادلہ خیالات کا موقع آتا رہا مگر مذکورہ اصحاب میں سے خصوصیت کے ساتھ جس نے اُردو مرکز کے کاموں سے دلچسپی کا اظہار فرمایا وہ علامہ شررمرحوم کی ذات تھی۔ موصوف نے نہ یہ کہ طریق کار کے متعلق مشورے عنایت فرمائے بلکہ بعض صحبتوں میں اپنا گراں بہا وقت فراہمی مواد اور مشکلات انتخاب کے حل کرنے میں بھی صرف فرمایا موصوف کا یہ وعدہ بھی تھا کہ آخر جنوری تک لاہور تشریف لاکر اور کچھ دنوں قیام فرماکر اُردو مرکز کے کاموں میں اعانت بھی فرمائینگے مگر افسوس مرحوم کی اچانک موت نے ان

تمام حوصلوں کو بار آور ہونے نہیں دیا۔
یہ صحیح ہے کہ ہمنے اخبارات و رسائل میں اپنی ان تجاویز و عزائم کا کوئی شور نہیں مچایا اسلئے کہ

"عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند"

صرف مخصوص ارباب قلم کی خدمت میں ایک ایک مطبوعہ تحریر بھیجکر ان سے میٹر (مواد) اور مفید مشوروں کی التجا کی تھی۔ اس تحریر کی نقل بجنسہٖ درج ذیل ہے :-

جناب محترم!

یہ امر جناب سے پوشیدہ نہیں کہ ملک کا بہی خواہ اور علم دوست طبقہ ایک مدت سے اُردو کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی سطح پر لانے کیلئے بیقرار ہے اس حیثیت سے موقت الشیوع جرائد و رسائل اور ملک کی چھوٹی بڑی علمی جماعتیں اور انجمنیں جو کچھ کر رہی ہیں انکا کافی احترام رکھتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کے اظہار بغیر چارہ کار نہیں کہ کام کی اہمیت اس تنگنائے فکر سے گذر کر مزید وسعتِ عمل کی محتاج ہے "اُردو مرکز" ملک کی واحد اُردو اکاڈمی جو دنیائے ادب کے مشاہیر اہل قلم کی گرانقدر مجلس کی نگرانی میں ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے لئے اس امر کو ملحوظ رکھکر اپنے مجوزہ نظام عمل کے لئے حسب ذیل دفعات مقرر کئے ہیں :-

(۱) اُردو کے اُس حصہ ادب و شاعری کو (جو محفوظ رکھنے کے قابل

ہے اور جو در اصل اُسکی آیندہ ترقیات کا اصلی ہیولیٰ بھی ہے جلد سے جلد انتخاب کے بعد مستقل مجلّدات کی صورت میں ترتیب دینا +

(۲) اُردو میں ایک مخزن العلوم (انسائیکلو پیڈیا) تیار کرنا +

(۳) اردو زبان کے فتوحات ادبیہ کا ایک منتخب مجموعہ سال بسال مجلّدات کی شکل میں پیش کرتے رہنا + (۴) گرانقدر نایاب مطبوعہ و غیر مطبوعہ اُردو کتابوں کی ترتیب و تہذیب اور حسب استطاعت ہر قسم کی علمی و ادبی اردو تصنیفات و تالیفات کی اشاعت +

(۵) اردو مرکز کی مجلس مشاورۃ (جو درحقیقت اُردو زبان کیلئے ایک ادبی دارالافتاء ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع اور متنازعہ فیہ امور ادبیہ کے متعلق ناطق فیصلہ +

ان دفعات کی اوّلین قسط یہ ہے کہ نظم و نثر کے اس بہترین حصّہ کو جسے اُردو ادب اپنی موجودہ مدّتِ حیات میں فراہم کرسکا ہے ایک باقاعدہ و منتظم صورت میں ملک کے سامنے پیش کردے۔ یہ مجموعہ جہاں ایک طرف اُردو ادب و شاعری کا حاصل و عطر ہوگا وہیں یہ امر بھی مدنظر ہے کہ حتی الامکان اس میں ایک حدّ خاص تک ترتیبِ تاریخی بھی ملحوظ ہے تاکہ ہر دَور کے خصوصیات اور ادبی دماغ کے ارتقائی مدارج کا بھی سرسری طور پر اندازہ ہوسکے۔ اس التزام کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی پیش نظر ہے کہ شعرا اور اُدبا کی تصاویر اور اُن کے حالات سے بھی (جس قدر دستیاب و میسر ہوسکیں) ان مجلّدات کی رونق و زینت میں اضافہ کیا جائے

ان بلند اور وسیع عزائم کی اہمیت اور ان کے مشکلات کا جناب خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں۔ اُردو مرکز لاہور نے خدا کا نام لیکر اس کام کو شروع کر دیا ہے۔ جسے ارباب ذوق کی مشہور و قابل قدر رجماعت نہایت سرعت سے انجام دے رہی ہے بلکہ اس کام کا ایک بڑا حصہ پریس میں بھی جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے مشہور فضلا و ادیب بھی اپنے زرّین مشوروں اور اعزازی خدمات سے اُردو مرکز کی اعانت فرما کر خدمت زبان کا غیر فانی ثبوت دے رہے ہیں۔ لیکن مشرقی اخلاق و ذہنیت کی ناقابل تردید عظمت یہ ہے کہ یہاں کے کاموں کی تمام مشکلات کو صرف سرمایہ و مالیات ہی کے زعم پر حل نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ ملک میں بحمد اللہ ایسے غیور و عالی حوصلہ بزرگوں کی کمی نہیں جو ملک کے مفید کاموں کی اعانت و حوصلہ افزائی کو مادّی "سود و زیان" سے آلودہ کرنا پسند نہیں کرتے اور صرف بے غرضانہ اعانت کو اپنی خدمات کا حقیقی نعم البدل تصوّر کرتے ہیں۔ نظر بران جناب سے بکمال ادب گذارش ہے کہ اپنی نظم و نثر کا ایک منتخب اور خوشخط مجموعہ مع اپنے حالات اور بلاک کے (اور اگر بلاک موجود نہ ہو تو تصویر) اردو مرکز انارکلی لاہور کے نام ارسال فرمائیں اسی کیساتھ ہمارے کاموں کے متعلّق اگر کوئی مفید مشورہ بھی عنایت فرمائینگے تو اسے بھی نہایت شکریہ کیساتھ قبول کیا جائیگا۔ اُردو نظم و نثر کی کوئی ایسی کار آمد تصنیف و

تالیف جو ابتک کنجِ گمنامی میں پڑی ہوئی ہو اسکے منتخب حصے معہ مصنف یا مؤلف کے حالات کے اگر دستیاب ہو سکیں تو وہ بھی براہ عنایت ارسال کیئے جائیں - اس قسم کی زریں امداد دینے والے حضرات کا اس تاریخی سلسلہ میں شکریہ کے ساتھ اعتراف کیا جائیگا ! اسکے علاوہ کارکنانِ اُردو مرکز ایسے تمام حضرات سے جنہوں نے اُردو ادب و شاعری کی کوئی خدمت انجام دی ہو یہ امید کرتے ہیں کہ وہ خود بھی اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینگے اسلئے کہ ان کے حالات اور گرانمایہ کارنامے اگر اُردو ادب شاعری کے اس مستقل اور مبسوط ریکارڈ اور مخزن میں نہ آئے تو یہ امر بڑی حد تک طرفین کیلئے قابل افسوس ہوگا ÷ المُلتَمِس مہتمم اردو مرکز - انارکلی لاہور

چنانچہ اس درخواست پر اطراف ملک سے ہماری جسقدر حوصلہ افزائی کی گئی وہ ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ تھی - انتہا یہ کہ بعض کرمفرماؤں نے تو اپنے مستقل کارنامہ ہائے علمی ہمیں انتخاب بطباعت کیلئے مرحمت فرمادیئے جن سے گو ہم بقدر ضرورت ہی متمتع ہو سکے تاہم اُنکی مخلصانہ اعانت کے تہ دل سے معترف و سپاس گذار ہیں ÷

اُردو ادب اور اُس کا سرمایۂ علمی

ابتدائی انتظامات مکمل ہو چکنے کے بعد ہم نے پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے ایک لائبریری مرتب کی اسمیں ہمیں جو دقتیں پیش

آئیں وہ بہت صبر آزما تھیں۔ مروّجہ کتب کا حاصل کر لینا تو چنداں دشوار نہ تھا۔ کسی
مطبع یا کتبخانہ کی فہرست اٹھائی اور اُسمیں سے جو کتابیں مفید مطلب نظر آئیں۔
انکی قیمت منی آرڈر کے ذریعے ارسال کر دی۔ لیکن جو نادر الوجود اور عبیر المحصول
نسخے ملک کے دور افتادہ گوشوں میں قدیم مگر گمنام گھرانوں اور غیر معروف
لائبریریوں کے اندر لالۂ صحرا کی طرح اپنی جان نواز نکہت رائگان کر رہے ہیں،
ان کے مہیّا کرنے میں صرف زر سے زیادہ تلاش و تحقیق کی ضرورت تھی بہر
حال جہاں سے اور جس طرح جو کتابیں مل سکتی تھیں ہم نے اپنی لائبریری
میں جمع کیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اُردو ادب کی کل کائنات اتنی ہی نہیں
اسکی گرانبہا متاع وہ علمی مضامین ہیں جو انتہائی تلاش و کاوش سے ملک کے سر آوردہ
ارباب فکر کے قلم سے وقتاً فوقتاً نکلتے رہے ہیں اور جنکے حقیقی سرمایہ دار ہمارے
ادبی رسائل ہیں جو ایک مدت سے غیر محسوس طور پر خدمت زبان کی انجام دہی میں
مصروف ہیں ان رسائل میں مندرجۂ ذیل خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہیں:۔
مخزن۔ معارف علیگڈھ۔ معارف اعظم گڈھ۔ اُردو (دکن) الناظر لکھنؤ
زمانہ کانپور۔ اُردوئے معلّٰی علی گڈھ۔ نگار بھوپال۔ علی گڈھ میگزین۔ ذخیرہ
حیدر آباد۔ دکن ریویو۔ ہمایوں۔ بہارستان۔ نیرنگ خیال۔ ہزار داستان
دلگداز۔ ادیب۔ الھلال۔ کہکشاں۔ العصر۔ نوید۔ نقاد۔ شمع آگرہ
خطیب دھلی۔ تمدن دھلی۔ کوکب گونڈہ۔ عالمگیر لاہور۔ شباب اُردو لاہور۔ نقیب
بدایوں۔ دلکش مراد آباد۔ صوفی۔ المعلم (دکن)۔ پیمانہ۔ نور جہاں۔ عبرت۔ زبان
قوس قزح۔ مرقع لکھنؤ۔ افادہ آگرہ۔ افادہ حیدر آباد۔ تحفہ حیدر آباد۔ صلائے عام دہلی

کمال دہلی - زبان اُردو لاہور - ادیب اُردو لکھنؤ - نظارہ میرٹھ نوبہار علیگڈھ وغیرہ +

مذکورہ رسائل کی اَدبی خدمات کا اندازہ آپ اس سے کرسکتے ہیں کہ آج تقریباً ہر شعبۂ علم کے متعلق ہم ایک معتد بہ و معقول مواد فراہم کرچکے ہیں اُنمیں ہمیں ایسے مضامین بھی ملے جسمیں اس حد تک اجتہادِ فکر و دقتِ نظر سے کام لیا گیا ہے کہ ہم اُنہیں اکتشافات و تحقیقات علمیہ کا درجہ دیسکتے ہیں اخبارات اور رسائل پر بیشتر سرسری نظریں پڑتی ہیں اور کسی اچھے سے اچھے مضمون کو بھی دیکھکر اردو ادب کی مجموعی حیثیت کا بالعموم اندازہ نہیں ہوتا لیکن ان تمام رسائل سے ہر موضوع اور ہر بحث کو اگر علیحدہ علیحدہ بالترتیب جمع کیا جائے تو معلوم ہو کہ اردو ادب کا آج کیا درجہ ہے اور وہ زبان جو محکومیت کے آغوش میں نشو ونما پارہی ہے آج کس حد تک آزاد ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش چلنے کیلئے بیقرار ہے +

چنانچہ کارکنانِ اُردو مرکز نے مستقل تالیفات و تصنیفات کے علاوہ مذکورہ رسائل کے گہرے مطالعہ و انتخاب کے بعد کئی لاکھ صفحات کا عطر کھینچ کر رکھدیا ہے اور آج ہم اس امر کے اعلان کی جسارت رکھتے ہیں کہ تقریباً تمام شعبہ جات علم و ادب پر ہمنے ڈیڑھ سو مجلدات تیار کرلئے ہیں اور جہانتک حالات مساعدت کرینگے ہم انشاء اللہ بہ اقساط انہیں برابر شایع کرتے رہینگے اِن مجلدات سے نہ صرف یہ کہ ملک میں ایک سنجیدہ و کارآمد لٹریچر کی اشاعت ہوگی بلکہ ایک ایسی مختصر سی لائبریری بھی بآسانی تیار ہوسکتی ہے جس سے عام مؤلفین و مصنفین بڑے بڑے دفاتر کی ورق گردانیوں سے بے نیاز ہوسکتے ہیں آیندہ جس کسی مصنف کو کسی اہم مضمون تصنیف و تالیف کی ضرورت ہوگی وہ اُس تصنیف یا تالیف کے متعلق اردو مرکز کے منتخبات میں ایک ہی جگہ ضروری مواد فراہم پاکر لائبریریوں میں

مبینوں کی تلاش و جستجو اور ضخیم کتابوں کی ورق گردانی کی زحمت سے
بچ جائیگا ÷

انتخاب نظم و نثر کے متعلّق ملک کے سربرآوردہ ارباب فکر
کے قیمتی مشورے اور خوش مذاق کارکنوں کا طریق کار اگرچہ کام کی
عمدگی کی کافی ضمانت ہے ۔ تاہم شروع سے لیکر آخیر تک کمزور انسانوں
ہی نے اسے انجام دیا ہے اس لئے اسے "خطا و نسیان" سے کسی طرح
مبرّا نہیں کیا جاسکتا ۔ ابتدائے کار سے لیکر اسوقت تک ہمنے ہر مشورے
کا کافی احترام کیا ہے ۔ اور چونکہ یہ کسی فرد واحد کا کام نہیں ہے اسلئے
قدرتی طور سے بھی ضد و تعصب کی اسمیں گنجائش نہیں ۔ چنانچہ ہم کامل
فراخدلی کیساتھ یہ حوصلہ رکھتے ہیں کہ ان مجلّدات کی طباعت و اشاعت
کے بعد بھی موافق و مخالف دوست و دشمن کی کسی صف سے جو معقول
صدائے اصلاح اُٹھیگی اسکا کمال مسرت کیساتھ خیر مقدم کیا جائیگا اور دوسرے
ایڈیشن میں شکریہ کیساتھ اس کی تصحیح و تلافی کردی جائیگی ÷

شعراء و مصنّفین کی تصاویر اور ان کے حالات کی فراہمی میں بھی حتی
الوسع ہم نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر جو التزام و اہتمام ہمارے
پیش نظر تھا وہ افسوس کہ خاطر خواہ انجام نہ پاسکا ÷

گذشتہ شعراء و مصنّفین میں سے بعضوں کے حالات اور اُن کی
تصاویر اگر میسّر نہ آسکیں تو چنداں عجب نہیں ستم ظریفی تو یہ ہے
کہ عصر موجودہ کے بعض بزرگوں کو بھی اپنے حالات و تصاویر دینے

مین مخل و مائل ہوا۔ خدانخواستہ اسلئے نہیں کہ نامحرم نگاہیں اُن پر پڑینگی
بلکہ انکسار کی بے کیف فرسودگی اور "میں کس قابل ہوں" کی رسم کہن کا
یہی تقاضا تھا۔ حالانکہ اس سے کہیں بہتر عذر "عذر تساہل" ہے۔ جو شنان
بے نیازی " کا بھی حامل ہے اور" شایان فہانت بھی۔ تاہم اس باب میں ہماری
کوششیں جس قدر بارآور ہوسکی ہیں وہ نذر ناظرین ہیں ؛

طباعت و اشاعت

اب ان مجلدات کی طباعت و اشاعت کا مسئلہ تھا جسمیں خوش آیند
تصورات کے بجائے سرمایہ مالی کی ضرورت تھی اسکے لئے ہم میسرز عطرچند
کپور اینڈ سنز لاہور کی فراخ حوصلگی کے رہین منت ہیں جنہوں نے ان
مجلدات کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داریاں لیکر اردو ادب کی ایک
عظیم الشان خدمت کا تہیہ کیا ہے۔ ان مجلدات کی اشاعت پر اب تک اس
فرم کا پچاس ہزار روپیہ صرف ہوچکا ہے اس کے علاوہ ڈیڑھ سو مجلدات
اور تیار ہیں جو وقتاً فوقتاً استعداد حالات کے مطابق شائع کئے جائینگے اس
سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اور کس قدر روپیہ صرف کرنا پڑیگا۔ یو۔ پی
میں منشی نولکشور آنجہانی کی وہ مساعی جمیلہ جو خدمت اردو کے متعلق
ہیں اپنی آپ مثال ہیں۔ لیکن میسرز عطرچند کپور کی فرم کا یہ تہیہ بھی
اپنے مقام پر جسقدر حوصلہ افزا و قابل ستائش ہے وہ بھی شاید
اردو کی تاریخ میں فقید المثال ثابت ہو۔ انکا یہ کارنامہ یہ نہیں کہ

تجارتی کاروبار کے ضمن میں ایک عظیم الشان حوصلہ مندی ہے بلکہ وہ ایک اولوالعزمانہ ملکی خدمت ہے جسے دراصل جریدۂ علم و ادب پر شہرتِ دوام کی مہر بنکر ثبت ہونا چاہیئے +

اُردو مرکز کا اسٹاف

ہم نے ذوقِ جستجو کو رہبر بنا کر ملک کے ان منتخب اہل قلم و انشا پردازوں کی خدمات حاصل کی ہیں جن پر اُردو دنیا بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ اس گران قدر ادبی جماعت نے جس انہماک و شغف سے اُردو مرکز کے مفوضہ فرائض کو سرانجام دیا اُس کا اعتراف نہ کرنا حد درجہ کی ناانصافی ہوگی۔ درحقیقت اردو مرکز عبارت اِسی جماعت سے ہے اخباری دنیا سے تعلق رکھنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو ان حضرات کی قدر و منزلت سے واقف نہ ہو۔ ان کے اسمائے گرامی اس امر کی کافی شہادت ہیں کہ اُردو مرکز ملک کے بہترین انشاپردازوں کی ایک قابل فخر جماعت ہے +

فہرست کارکنان اُردو مرکز

۱۔ حضرت اصغرؔ مصنف نشاطِ روح
۲۔ سید عابد علی بی۔ اے آنر ایل۔ بی سلیڈیٹر ہزار داستان
۳۔ شیخ محمد ضیاءالدین شمسی جرنلسٹ

کارکنان اردو مرکز
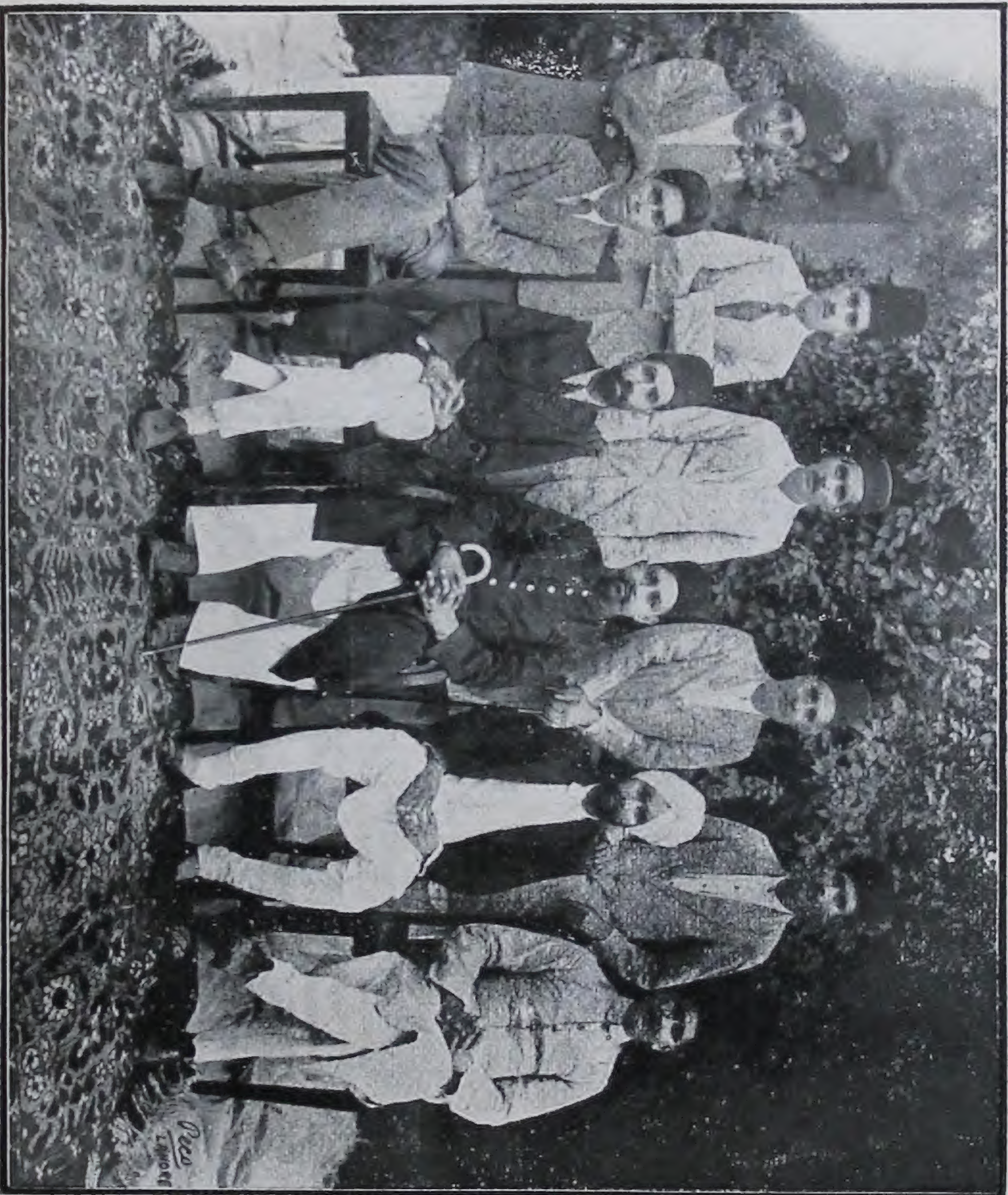
(کرسی‌نشین حضرات دائیں سے بائیں کو)   (۱)حضرات تپش (۲)شائق (۳) تاجور (۴) سلیم (۵) خالد

۴ میاں تصدق حسین خالد ایم - اے -

۵ مسٹر منوہر سہائے انور سہنسوانی جرنلسٹ -

۶ پنڈت میلارام وفا ایڈیٹر سوراجیہ -

۷ مولینا حامد علی خان صاحب بی - اے - زنیشل،

۸ حضرت فاخر ہریانوی - بی - اے -

۹ شبیر علی خان صاحب سرخوش مصنف تذکرہ اعجاز سخن -

۱۰ شیخ عبد اللطیف صاحب تپش بی - اے -

۱۱ اصغر حسین خان صاحب نظیر لدھیانوی -

۱۲ حضرت جگر مراد آبادی -

۱۳ مولینا گویا جہان آبادی -

۱۴ مولینا سیماب اکبرآبادی ایڈیٹر پیمانہ -

۱۵ شیخ محمد ہادی حسین قرشی ایم - اے -

۱۶ سردار اودے سنگھ شائق بی - اے ایل ایل بی -

۱۷ مسٹر یوسف سلیم بی - اے -

اردو مرکز کی مجلس مشاورت

اردو مرکز کے کاموں میں مسلسل طور پر مشورہ کی زحمت جن حضرات نے فرمائی -
ان کی التفات بے پایاں کا اعتراف بھی ہم صدق دل سے کرتے ہیں -
یہ محترم حضرات صرف یہی نہیں کہ اپنا وقت عزیز پابندی کے ساتھ

اردو مرکز کے منتخبات پر ناقدانہ نظر ڈالنے پر صرف کرتے رہے۔
معیار انتخاب قائم کرنے میں اپنے زرّین مشوروں سے مسلسل طور پر
ہماری امداد فرمائی۔ بلکہ اردو مرکز کے خلاف للّٰہی بغض رکھنے والی سازشی
جماعت کے حملوں کے لیئے ان کی مقتدر شخصیتّیں سدِّ سکندری
ثابت ہوئیں۔

اراکین مجلس مشاورت

آنریبل خان بہادر سر شیخ عبدالقادر بیرسٹرایٹ لا۔ ریوینیو ممبر
ایگزیکٹیو کونسل پنجاب

خان بہادر شیخ نورالٰہی صاحب ایم اے۔ آئی۔ ای۔ ایس۔ انسپکٹر
آف ٹریننگ انسٹیٹیوٹس صوبہ پنجاب۔

پنڈت برج موہن دتاتزیہ کیفی دہلوی (ادبی نقاد)

آخر میں ہم اس خدائے قادر و توانا کا شکر ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے
جس نے نہانخانۂ غیب سے ہمارے لئے یہ اسباب و وسائل فراہم
کر دئے۔ اور اپنے لطف و کرم سے ہمیں بُری بھلی خدمتِ زبان کی توفیق عطا
فرمائی۔ لیکن اُسی کی عادتِ جاریہ یہ بھی ہے۔ کہ وہ ہر اعلیٰ و صالح تحریک کے
لئے مخالفین و مزاحمین کی بھی ایک جماعت تیار کر دیتا ہے۔ ورنہ پھر نہ تو
کسی پُر مغز و مخلصانہ خدمت کی قدر و قوت کا اندازہ ہو اور نہ اُسے پوری
طرح پھیلنے اور کامیاب ہونے کا موقع مل سکے۔

(۱) خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب آئی ای ایس (۲) سر شیخ عبدالقادر صاحب (۳) حضرت کیفی دہلوی

ہندوستان میں جہاں تعمیر کے مقابلہ میں شوقِ تخریب اور بڑھانے کے عوض نیچے گھسیٹنے کا جذبہ نسبتہً زیادہ ہے۔ ہم اِس سعادت سے کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ اردو مرکز اپنی ناچیز خدمات کا کوئی عملی ثبوت پبلک میں پیش کرے۔ بعض حلقوں میں اس کے متعلّق پیشتر ہی سے چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ غالب نے کہا تھا :

نداغم تا چہ برق فتنہ خواہد ریخت بر ہوشم
تصوّر کردہ ام بگسستنِ بندِ نقابش را

یہاں بھی اردو مرکز اور اس کے کارناموں کا "گسستنِ نقاب" تو ایک طرف محض اُس کے تصوّر ہی سے ایک تلاطمِ اضطرار پیدا ہو گیا۔ اور گھبرا گھبرا کر ہمارے دوستوں کی نگاہیں اپنے ترکشوں پر پڑنے لگیں۔ چنانچہ اردو مرکز اور اُس کے اراکین کے متعلق پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ اخبارات و رسائل کے صفحات میں بھی مختلف رنگ اور مختلف عنوانوں سے تنقیص و تعریض کا شریفانہ عمل شروع ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہماری طرف سے "اشتراکِ عمل" کی دعوت عام تھی بایںہمہ بعض حلقوں میں اگر ایسی بے چینیاں موجود ہوں۔ جن کی بنیاد میں ناگفتہ بہ جذبات کارفرما ہیں۔ تو شاید ہماری اور اُن کی متفقہ کوششیں بھی انہیں زائل نہیں کر سکتیں۔ بہرحال ہمیں اور ہمارے دوستوں کو اپنا اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے۔ انجامِ کار کا فیصلہ اُسی خدا پر ہے۔ جس نے محسود کو حاسد پر۔ فراخ دلی کو تنگ نظری پر۔ تعمیر کو تخریب بجا پر ہمیشہ فتح

دی ہے۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ ہم لوگوں کے لئے اپنے اِس لازوال قانون میں تبدیلی ہرگز نہ کرے گا۔

ہم اپنی طرف سے اطمینان دلاتے ہیں۔ کہ جس خدا نے ہمارے لئے اسباب و وسائل مہیا کر کے ہمیں تھوڑے سے کام کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اُسی نے ہمیں وہ صبر و سکون بھی (جو ہر کام کرنے والے کے لئے ضروری ہے) مرحمت فرمایا ہے۔ ہم اپنی جانب سے کسی سے الجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور اپنے کرم فرماؤں کی تعریض و نکتہ چینی سے بھی (خواہ وہ کسی رنگ میں کیوں نہ ہو) صرف اپنی اصلاح و فلاح کا فائدہ اٹھانا چاہیں گے اور بس ؏

بادہ گر خام شود پختہ کند شیشۂ ما

تاجور چیف ایڈیٹر

اردو مرکز لاہور

فہرست

تصویر مناظر

جلد اوّل

تمہید

شاعر کا کام صرف "کلام موزون بالقصد" کی تنظیم و ترتیب نہیں بلکہ انفس و آفاق کا ہر ہر گوشہ اس کی جولانگاہ نظر ہے۔ وہ صرف حسیات مخفیہ کا ترجمان نہیں بلکہ فطرت کے کھلے کھلے مرایا و مناظر بھی جن پر سے عامیانہ نظریں نہایت سرسری طور سے گذر جاتی ہیں۔ اس کے لئے ایک مستقل درس بصیرت ہیں۔

اردو شاعری جس کی بنیاد فارسی اور بھاشا کی شاعری پر تھی بدقسمتی سے ایسے زمانہ میں عالم وجود میں آئی۔ جبکہ عموماً طبیعتوں کا رخ خیال آرائیوں اور دوراز کار موشگافیوں کی طرف ہوتا جارہا تھا۔ نیچرل شاعری سے میری غرض "برگد کا درخت" "پیپل کے سوکھے ڈنڈ" پر کوئی بے کیف نظم نہیں ہے بلکہ میری غرض اس صحیح کیفیت کی دلکش مصوری سے ہے۔ جو کسی رنگین ذہنی حقیقت یا دلکش وجود خارجی کے مشاہدہ سے پیدا ہوئی ہو۔ غرض اصلی صحت بیان سلامت مذاق اور پرکیف طرز ادا سے ہے۔ لیکن نیچرل شاعری کا عام مفہوم اس شاعری سے ہے جس کا تعلق قدرت کے مادی مشاہد و مناظر سے ہو۔

مولانا حالی مرحوم نے جب یہ کہا تھا کہ ؂

بُرا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے — عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے

تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے — مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے

گنہگار واں چھوٹ جائینگے سارے

جہنم کو بھر دینگے شاعر ہمارے

تو اس سے مرحوم کی غرض اُس بیجا مبالغہ اور اس اغراق و تصنع سے تھی جس نے ہماری شاعری کو نفوذ و تاثیر کی قوتوں سے محروم کر دیا تھا۔ اس باب میں مولانا بہ استثنا مسدس مدوجزر اسلام کس حد تک خود کامیاب رہے ہیں۔ یہ ایک مستقل بحث ہے۔ اور شاید یہ اس کا موقع بھی نہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مقدمہ دیوان میں شعر و شاعری پر آپ نے ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ نیچرل شاعری کیا ہے۔ اور اردو میں اس کے فقدان کے اسباب کیا ہیں۔ اسی زمانہ میں حضرت آزاد مرحوم نے بھی نیچرل شاعری یعنی مادی و محسوس موضوعات پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ اور پے در پے بہت سی نیچرل نظمیں کہیں۔ لیکن ان نظموں کا بیشتر حصہ نہایت سُست ہے۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کی رونق یہی دونوں بزرگ تھے۔ ان مشاعروں میں عام رواج کے مطابق مصرع طرح نہیں دیا جاتا تھا۔ بلکہ نظم کے لئے کوئی عنوان تجویز کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ رنگ پنجاب میں بہت مقبول ہو گیا۔ اور اس رنگ میں بہت سے کہنے والے پیدا ہو گئے۔ لیکن بقیہ ہندوستان نے بھی یہ رنگ قبول کر لیا۔ اور وہاں بھی اس رنگ میں کہنے والے بہت سے باکمال نظر آتے ہیں۔ مثلاً شوق قدوائی اکبر الہ آبادی چکبست۔ سرور جہان آبادی۔ جوش ملیح آبادی وغیرہ۔

پنجاب میں اس رنگ کو ترقی دینے والوں میں اقبال کا نام سب سے نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ آپ کے کلام سے نیچر کی نہایت بیش بہا مثالیں فراہم کی جاسکتی ہیں اگرچہ آپ کے کلام کا بیشتر حصہ مذہب اور فلسفہ کے مضامین سے لبریز ہے۔ مگر نیچرل پہلو ہر جگہ نمایاں ہے۔ آپ کے کلام کے ننانویں فی صدی اشعار نیچرل ہوتے ہیں۔ ہم نے اس حصہ میں ذیل کے حضرات کے نیچرل کلام کا انتخاب درج کیا ہے:۔

حالی۔ آزاد۔ اسمٰعیل۔ اکبر۔ شوق۔ اقبال۔ سرور جہاں آبادی۔ چکبست۔ نیاز۔ نادر کاکوروی سالک۔ ظفر علیخاں۔ نیرنگ۔ محروم۔ برق۔ وفا۔ جوش۔ نظیر۔ شائق۔ فاخر۔ خالد۔ حامد علی۔ روش۔ ساغر۔ اثر صہبائی۔ عابد۔ عارف۔ افر اکبر وغیرہ۔

حالی

برکھا رُت

گرمی کی تپش بجھانے والی　　سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان　　عارف کے لئے کتاب عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی　　وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات　　وہ کون ہے خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد　　اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد

وہ آئی تو آئی جان میں جان — سب تھے کوئی دن کے ورنہ مہمان

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا — اور کھول رہا تھا آبِ دریا

تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بلوں میں مُنہ چھپائے — اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تھیں لومڑیاں زباں نکالے — اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ — ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سُست — گھڑیال تھے رود بار میں سُست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا [۱]

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں — اور دودھ نہ تھا گؤ کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ — تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ

گرمی کا لگا ہوا تھا بھبکا — اور انس نکل رہا تھا سب کا

طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا

آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے — شعلے تھے زمین سے نکلتے

تھی آگ کا دے رہی ہوا کام — تھا آگ کا نام مفت بدنام

رستوں میں سوار اور پیدل — سب دھوپ کے ہات سے تھے بیکل

گھوڑوں کی نہ آگے اُٹھتے تھے پاؤں — ملتی تھی کہیں جو روکھ کی چھاؤں

تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک — پانی کی جگہ برستی تھی خاک

---

۱ عاجز ہو گئے تھے

شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی — وہ بادِ سموم سے سوا تھی
بجھتی نہ تھی آتشِ درونی — لگتی تھی ہوا سے آگ دونی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک — جاں داروں پہ دھوپ کی تھی دستک[1]
ٹٹی میں تھا دن گنواتا کوئی — تہ خانے میں مُنہ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان — آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
چلتی تھی دکان جن کی دن رات — بیٹھے تھے وہ ہات پر دھرے ہات
خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا — یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا
تھا شہر میں قحط آدمی زاد — سلطان[2] کا اک کنواں تھا آباد
پانی سے تھی سب کی زندگانی — میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیتیں لپکتی — فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
پھل پھول کی دیکھ کر طراوت — پاتے تھے دل و جگر طراوت
کنجڑوں کی وہ بولیاں سُہانی — بھر آتا تھا سُن کے مُنہ میں پانی
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے — مر پیٹ کے صبح تھے پکڑتے
اور صبح سے شام تک برابر — تھا العطش العطش زباں پر
بچّوں کا ہوا تھا حال بے حال — کملائے ہوئے تھے پھول سی گال

---

[1] دھوپ کی مہربانی تھی (طنزاً کہا ہے)

[2] لاہور میں جہاں یہ مثنوی لکھی گئی تھی ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے۔

آنکھوں میں تھا ان کا پیاس سے دم
تھے پانی کو دیکھ کرتے ہم ہم

ہر بار پکارتے تھے ماں کو
ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو

پانی دیا گر کسی نے لاکر
پھر چھوڑتے تھے نہ منہ لگا کر

بچے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر
تھا حال بڑوں کا ان سے بدتر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری
پانی سے نہ تھی کسی کو سیری

کل شام تلک تو تھے یہی طور
پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور

پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اِک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی
ایک آتی ہے فوج ایک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ہے جبکہ باڑھ [1] چلتی
چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینھ کا ہے زمیں پر دڑیڑا
گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی
آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی
قدرت ہے نظر خدا کی آتی

---

[1] بہت سی توپوں کا ایک دفعہ چلنا

سورج نے نقاب لی ہے منہ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور جھنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی — گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر — پانی میں مگر۔ کچھار میں شیر
زردار ہیں اپنے مال میں مست — قلاش ہیں اپنی کھال میں مست
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر — کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ — یَا رَبِّ لَنَا وَلَا عَلَیْنَا [له]
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا — کرپا ہوئی تیری میگھ راجا
کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی — گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملار گاتا — ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے — اور بانسریاں بجاتے پھرتے
سرون کوئی گا رہا ہے بیٹھا — چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا

له اے رب اسے فائدہ مند بنا۔ غیر مفید نہ بنا۔

رکھشک جو بڑے ہیں جین مت کے ‌ ‌ ‌ ڈھکنے ہیں دیوں پہ ڈھکتے پھرتے
کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھیا ‌ ‌ ‌ تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا

ہیں شکر گذار تیرے برسات ‌ ‌ ‌ انساں سے لے کے تا جمادات
دنیا میں بہت تھی چاہ تیری ‌ ‌ ‌ سب دیکھ رہے تھے راہ تیری
تجھ سے ہے کھلا یہ راز قدرت ‌ ‌ ‌ راحت ملتی ہے بعدِ کلفت
شکریۂ فیض عام تیرا ‌ ‌ ‌ پیشانیِ دہر پر ہے لکھا
گلشن کو دیا جمال تو نے ‌ ‌ ‌ کھیتی کو کیا نہال[1] تو نے
طاؤس کو ناچنا بتایا ‌ ‌ ‌ کوئل کو الاپنا سکھایا
جب مور ہے ناچنے پہ آتا ‌ ‌ ‌ آپے سے ہے اپنے گزرا جاتا
کوئل کو نہیں قرار اک پل ‌ ‌ ‌ ایسی کوئی تو نے کوک دی کل
شب بھر میں ہوا آسماں دگرگوں ‌ ‌ ‌ کیا پڑھ دیا آکے تو نے افسوں
سوئے تو اساڑھ کا عمل تھا ‌ ‌ ‌ اُٹھے تو سماں ہے ماگھ کا سا
لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن ‌ ‌ ‌ کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن
امرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ ‌ ‌ ‌ اِک رات میں کچھ سے کر دیا کچھ
دریا تجھ بن سسک رہے تھے ‌ ‌ ‌ اور بَن تری راہ تک رہے تھے
دریاؤں میں تو نے ڈال دی جان ‌ ‌ ‌ اور تجھ سے بنوں پر آ گئی شان
جن جھیلوں میں کل تھی خاک اڑتی ‌ ‌ ‌ ملتی نہیں آج تھاہ ان کی

---

[1] نہال سرسبز (پودے کو بھی کہتے ہیں)

جو دانے تھے خاک میں پریشان
سب آکے چڑھائے تو نے پروان

دولت جو زمین میں تھی مخفی
آگے ترے اُس نے سب اُگل دی

پڑتے تھے ڈلاؤ جس زمیں پر
واں سبزہ و گل ہیں جلوہ گستر

جن پودوں کو کل تھے ڈھور چرتے
بانس ہیں وہ آسماں سے کرتے

جن باغوں میں اُڑتے تھے بگولے
وہاں سینکڑوں اب پڑے ہیں جھولے

تھے ریت کے جس زمیں پہ انبار
ہے بیر بہٹیوں سے گلنار

کہیں باغوں میں جا بجا گڑے ہیں
جھولے ہیں کہ سو بسو پڑے ہیں

کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن
جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن

ہیں پھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری باری

جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی
جنگل کو ہیں سر پہ وہ اُٹھاتی

اِک سب کو کھڑی جھُلا رہی ہے
اِک گرنے سے خوف کھا رہی ہے

ہے ان میں کوئی ملار گاتی
اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی

گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا[1]
کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا[1]

اِک جھولے سے وہ گری ہی جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں
تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں

گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی
اور تیر کے پہنچا پار کوئی

---

[1] گیتوں کے نام ہیں۔

بگلوں کی ہیں ڈاریں آ کے گرتی
مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی

چکلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے
دن بھر میں ہیں بڑے جا کی لگتے

زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی
موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی

ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں
موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں

ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان
بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان

منجدھار کی رو بھی زور پر ہے
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

ابر اتنے میں اک طرف سے اُٹھا
اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا

برق آ کے لگی تڑپنے پیہم
اور پڑنے لگی پھُوار کم کم

آزاد

شام کی آمد اور رات کی کیفیت

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو
عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو

کلفت سے دن کی ہو گیا مُنہ تیرا زرد ہی
اور ڈالی اس پہ شام نے غربت کی گرد ہی

ہوتا زمانہ بسکہ ہے، وابستہ شام سے
اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد

دامانِ کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شبِ سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو
عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تو
ہونا وہ بعدِ شام شفق میں عیاں ترا
اُڑنا وہ آبنوس کا تختِ رواں ترا
عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی
ہاتھوں سے مشک اُڑاتی ہی عنبر بکھیرتی
دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم
کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم
سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر
پورا ہے تیرا حکم پر آدھے جہان پر

چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہی
اس وقت یا تو رات ہی یا حق کی ذات ہی
گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی
چوکا ہے بلکہ راہزنِ نابکار بھی
القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے
عورت ہے یا کہ مرد جواں ہی کہ پیر ہے
بچّہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں
سب آ گئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

ہے ہیچ تیرے آگے غرور آفتاب کا
یعنی تو چھین لیتی ہے نور آفتاب کا
کھولے ہوئے شفق کا نشاں زرق برق سے
رکھ کر کرن کا تاج نکلتا ہے شرق سے
اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے
سکّہ ہے اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے
محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اس کا حکم تو سونا عمل ترا
مزدور جا بجا تھے جو دُکھ درد پائے ہے
اور پاؤں تک سروں سی پسینے بہائے ہے

بارِ گراں غریبوں نے سر پر اُٹھائے ہیں　　جب چار پیسے شام کو لے گھر میں آئے ہیں

اے شب تمام دن کی مصیبت سے ہار کے
تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

اکثر امیر لیٹے ہیں نعمت کے ناز میں　　پر دل کو ان کے دیکھو تو ہی سوز و ساز میں

سامانِ عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے　　جو مانگئے زمانہ ہے حاضر لئے ہوئے

مخمل کا فرش ہے مگر آرام ہی نہیں
جھپکے پلک سو اس کا کہیں نام ہی نہیں

اور ان کے زیرِ سایہ پڑا اک غریب ہی　　دن بھر اُٹھاتا بوجھ وہ آفت نصیب ہی

تھا صبحدم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو　　وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہے شام کو

اب اپنی نانِ خشک کو پانی میں چور کر　　کھایا ہے اور مست پڑا ہے تنور پر

سر پر قیامت آئے تو اس کو خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہے مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کو جو آرام عام ہے　　وہ سب دلوں کے واسطے غفلت کا جام ہے

بندے خدا کے ایسے یہاں بے شمار ہیں　　دن سے زیادہ رات کو مصروفِ کار ہیں

جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دُور ہے
قسمت تو ہر طرح ہے پہ محنت ضرور ہے

ابرِ کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آتی اِدھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی
اور ان کے ساتھ ساتھ ہے آئی شمیم بھی

لو بادل اب گرجتے ہوئے سر پہ آ گئے
اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے

کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہے
برسے گا آج خوب دھواں دھار ابر ہے

بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں
اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں

وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے
وہ کھاڑیاں بھری ہوئیں تھالی چھلک رہے

گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے
اور گونجنا وہ باغ کے پانی کا شور سے

جل تھل ہیں کوہ و دشت میں تالاب کے
گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے

کوئل کا دور دور درختوں پہ بولنا
اور دل میں اہلِ درد کے نشتر گھنگولنا

املی کے اِک درخت میں جھولا پڑا ہوا
اور ساتھ اُس کے آم کا پیڑا لگا ہوا

جھولوں میں نوجوان ہیں پینگیں چڑھا رہے
اور بچے آم کے ہیں پپیہے بجا رہے

شبِ سرما

اے نئے مستاں کہوں کس طرح تری رات کا لطف
تری شبہائے دراز اور وہ ہر بات کا لطف

مارے سردی کے جگر سینوں میں تھراتی ہیں
بچے ماں باپ کی بغلوں میں گھسے جاتے ہیں

کہیں سُو سُو کہیں سی سی ہی کہیں سیٹی ہے
گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں انگیٹھی ہے

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
سازِ عشرت کے لئے برگ و نوا ہے تجھ سے

صوفی و رند کے جلسے کا تو ہی ساقی ہے
مایۂ عیش و طرب دم سے ترے باقی ہے

میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا
تیرے آزاد کو پالے سے پڑا ہے پالا

آرزو کچھ نہیں دنیا کی رہی ہے دل میں
اب تمنا جو ہے باقی تو یہی ہے دل میں

طپشِ عشق سے دل میرا رہے نرم سدا
گرمیٔ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

اسمٰعیل

قلعہ اکبرآباد

وہ بارگہِ خاص کی پاکیزہ عمارت
تاباں تھے جہاں نیرِ شاہی وزارت

بڑھتی تھی جہاں نظم و سیاست کی مہارت
آتی تھی جہاں فتحِ ممالک کی بشارت

جوں شحنۂ معزول پڑی ہے وہ اکارت
سیاح کیا کرتے ہیں اب اسکی زیارت

کہتا ہے سخن فہم سے یوں کتبہ دروں کا
تھا مخزنِ اسرار یہی تاج وروں کا

اور رنگ سیہ رنگ جو قائم ہی لبِ بام
بوسہ جسے دیتا تھا ہر اک بندہ عظام
اشعار میں ثبت اس پہ جہانگیر کا ہی نام
شاعر کا قلم اسکی بقا لکھتا ہے مادام
پر صاف نظر آتا ہے کچھ اور ہی انجام
سالم نہیں چھوڑیگی اسے گردشِ ایام

فرسودگیِ دہر نے شق اب تو کیا ہے
آیندہ کی نسلوں کو سبق خوب دیا ہے

ہاں کسلیئے خاموش ہی او تختِ جگر ریش
کس غم میں سیہ پوش ہی کیا سوگ ہی درپیش
کملی ہی ترے دوش پہ کیوں صورتِ درویش
جوگی ہی تیرا پنتھ کہ صوفی ہی تیرا کیش
بولا کہ زمانے نے دیا نوش کبھی نیش
صدیاں مجھے گذری ہیں یہاں تین کم و بیش

صدقے کبھی مجھ پر گہر و لعل ہوئے تھے
شاہانِ معظم کے قدم میں نے چھوئے تھے

اس عہد کا باقی کوئی سامان ہی نہ اسباب
فوارے شکستہ ہیں تو سب حوض ہیں بے آب
وہ جام بلوریں ہیں نہ وہ گوہرِ نایاب
وہ چلمنیں زرتار نہ وہ بسترِ کمخواب
ہنگامہ جو گذرا ہی سو افسانہ تھا یا خواب
یہ معرضِ خدام تھا وہ موقفِ حجاب

وہ بزم نہ وہ دور نہ وہ جام نہ ساقی
ہاں طاق و رواق اور در و بام ہیں باقی

درشن کے جھروکے کی پڑی تھی یہیں بنیاد
ہوتی تھی یہاں دان میں کیا کیا دہش و داد
وہ عدل کی زنجیر ہوئی تھی یہیں ایجاد
جو سمع شہنشاہ میں پہنچاتی تھی فریاد

وہ نورجہاں اور جہاں گیر کی افتاد — اس کاخ ہمایوں کو بہ تفصیل ہے سب یاد

ہر چند کہ بے کار یہ تعمیر پڑی ہے
قدر اس کی مورخ کی نگاہوں میں بڑی ہے

وہ دور ہے باقی نہ وہ ایام و لیالی — جو واقعہ حسی تھا سو ہے آج خیالی
ہر گوشۂ ایوان ہر اک منزل عالی — عبرت سے ہے پُر اور مکینوں سے ہے خالی
آقا نہ خداوند اہالی نہ موالی — جز ذات خدا کوئی نہ وارث ہے نہ والی

یہ جملہ محلات جو سنسان پڑے ہیں
پتھر کا کلیجہ کیے حیران کھڑے ہیں
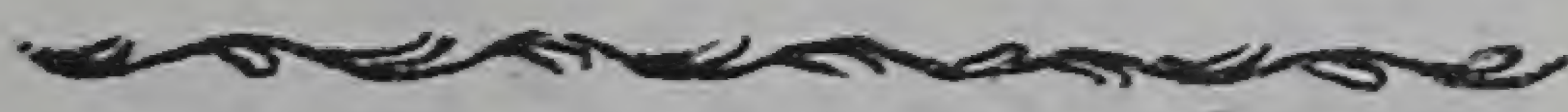
شام کا جھٹ پٹا

جھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا — صاحبو یہ وقت ہے آرام کا
قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا — ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا
دیکھنا سورج ہے چھپنے کے قریب — تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب
لو کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر — لینگے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر
شام کو بستی سے باغوں کی طرف — اُڑ چلے کوّے بھی مل کر صف بہ صف
دن میں جو آواز تھی مدّھم پڑی — بھنبھناہٹ مکھیوں کی کم پڑی

لسان العصر مولانا اکبر (مرحوم) الٰہ آبادی

تاریخِ تصویر ۱۴ اگست سنہ ۱۹۲۱ء

تاریخِ انتقال ۹ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء

جانور دن بھر قلانچیں بھر چکے　　اپنا اپنا کام پورا کر چکے
وہ جو کٹ کٹ کر رہی ہیں مرغیاں　　ڈھونڈتی ہیں اپنے ڈربوں کا نشاں
بھیڑ بکری اونٹ گھوڑا گاؤ خر　　آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر
اب ہوا کے تیز جھونکے رُک گئے　　سو گئے پیڑ اور پتے جھک گئے

اب کہاں باقی ہے موقع کام کا
صاحبو یہ وقت ہے آرام کا

اکبر

آبِ لوڈور

اُچھلتا ہُوا اور اُبلتا ہُوا　　اکڑتا ہُوا اور مچلتا ہُوا
یہ بنتا ہُوا اور وہ تنتا ہُوا　　ٹپکتا ہُوا اور چھنتا ہُوا
روانی میں اک شور کرتا ہُوا　　رکاوٹ میں اک زور کرتا ہُوا
پہاڑوں پہ سر کو ٹپکتا ہُوا　　چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہُوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہُوا　　یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہُوا

جھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا
وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا

وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا
یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا

ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا
ادھر گھومتا اور اٹکتا ہوا

بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا
بگڑ کر وہ کف مُنہ پہ لاتا ہوا

سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا
تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا

ادھر گونجتا گنگناتا ہوا
ادھر خود بخود بھنبھناتا ہوا

لپٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا
یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا

سماتا ہوا اور چلپتا ہوا
سرکتا ہوا اور ملتا ہوا

یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا
اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا

یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا
دباتا ہوا اور لچکتا ہوا

پھسلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا
لچکتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا

وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا
وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا

گل و خار یکساں سمجھتا ہوا
ہر اک سے برابر اُلجھتا ہوا

بہاتا ہوا اور بہتا ہوا
ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا

لرزتا ہوا تلملاتا ہوا
بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا

بلندی سے گرتا گراتا ہوا
نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا

اُچکتا ہوا اور اُڑتا ہوا
اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا

وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا
زمینوں کو شاداب کرتا ہوا

یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا
وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا

یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا ‏ وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا
لپکتا ہوا دندناتا ہوا ‏ امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور چھلکتا ہوا ‏ سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا ‏ حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا ‏ شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں
بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

جلوہ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا ‏ دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا ‏ کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو بادہ صافی ‏ شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی ‏ خیر اب دیکھئے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا ‏ اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا ‏ حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا اُس جنگل میں منگل دیکھا
برمھا اور ورنگل دیکھا عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

کچھ چہروں پر مردی دیکھی کچھ چہروں پر زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی دل نے جو حالت کردی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی محفل میں سارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
مُنہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم اُن کا چلنا کم کم تھم تھم
زرّیں جھولیں نور کا عالم میلوں تک وہ چم چم چم چم

پُر تھا پہلو سے مسجد جامع روشنیاں تھیں ہر سُو لامع

کوئی نہیں تھا کسی کا سامع سب کے سب تھے دید کے طامع

سُرخی سڑک پہ کٹتی دیکھی سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی لُطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اِک چہ لکھی دیکھی خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
ہر سُو نعمت رکھی دیکھی شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلویٰ ایک کا حِصّہ تھوڑا حلوا
ایک کا حِصّہ بھیڑ اور بلوا میرا حِصّہ دور کا جلوہ

اوج برٹش راج کا دیکھا پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا رُخ کرزن معراج کا دیکھا

اوج بخت ملاقی اُن کا چرخ ہفت طباقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا آنکھیں میری باقی اُن کا

شوق

ہندوستان کی حسین لڑکی اور اُس کی ہنسی

دل کو لبھا رہا ہے انداز اس ہنسی کا — پیشِ نظر ہے نقشہ کھلتی ہوئی کلی کا

یہ دانت صاف اُسکے یہ ہونٹ لال اُسکے — دو نیم رنگ گل ہیں چہرے پہ گال اُسکے

قدرت نے اِن لبوں کو کیا لال کر دیا ہے — دو حرف لکھ کے گویا شنجرف کو بھر دیا ہے

چمکے وہ دانت اُسکے رنگیں دہن میں دیکھو — ہیروں کی کان نکلی ملک یمن میں دیکھو

دونوں لبوں کو دیکھو رخ دیکھکر دہن میں — جوڑا یہ لال کا ہی رہتا ہے جو چمن میں

اپنی ہنسی کی شاید اس کو خبر نہیں ہے — کیا پھول کھل رہے ہیں اسپر نظر نہیں ہے

واقف نہیں کہ کتنا زیبا ہی حسن اس پر — واقف نہیں کہ اُسنے بجلی گرائی کس پر

خود حسن کو سمجھتی تو شرم اُس کو آتی — ہونٹوں کو بند کرتی دانتوں کو یہ چھپاتی

گالوں میں پڑ گئی ہے کچھ کچھ شکن ابھی سے — چمکا ہے حسنِ فطرت اس حسنِ عارضی سے

دانتوں کے نور سے دل وارفتہ ہے ہنسی پہ — کی ہے جلا ہنسی نے اس حسن قدرتی پہ

چشمہ میں منہ کو دھونا اور بار بار ہنسنا — کیا لطف دے رہا ہے بے اختیار ہنسنا

پانی میں دیکھتی ہے رُخ اپنا پیارا پیارا — خوش کر رہا ہے شاید اس کو بھی یہ نظارا

جنبش میں عکس رخ کو ہنس ہنس کی دیکھتی ہے — لہروں سے کھیلنے کا شاید سبب یہی ہے

منہ دھو رہی ہے جس جا ہیں مچھلیاں اُسی جا — شاید ہنسا رہا ہو نظارہ مچھلیوں کا

آئینہ ہے نہ اسدم پاس اُسکے آرسی ہے — دانتوں کو مانج کر یہ پانی میں دیکھتی ہے

مولانا احمد علی شوق قدوائی لکھنوی

پانی میں صورت اپنی اُسنے جو دیکھ پائی — سمجھی کہ اور کوئی اِس کے مقابل آئی

واقف نہیں کہ ہے یہ اپنا ہی عکس پیدا — یہ راز ہو نہ یارب اس پر کبھی ہویدا

سمجھے گی عکس اپنا تو جھیپ جائیگی یہ — ہنس ہنس کی بھولی بن سی پھر مُنہ چڑہائیگی یہ

ہلنے سے اسکے شاید کچھ لطف آرہا ہو — بُندوں کا گُدگُدانا اُس کو ہنسا رہا ہو

چھوٹی سی شاخ گل کو کرتے میں رکھ لیا ہے — کانٹے نے چُبھ کے شاید اُسکو ہنسا دیا ہے

پیڑوں کو دیکھ کر یہ ہنستی ہے کس ادا سے — خوش کر رہی ہیں چڑیاں آواز نغمہ زا سے

پانی میں گر پڑی یہ پھر بھی ہنسی نہ چھوڑی — اُٹھتے ہی پھول اُٹھایا اور اوڑھنی نچوڑی

چھٹکا رہی ہے دیکھو ہنس ہنس کے بال اپنے — آنچل سے پوچھتی ہے ہر بار گال اپنے

آنچل تو خود ہی تر ہے گال اس سے خشک ہوں کب — دھوپ اور ہوا سے پانی ہو جلد جذب یارب

کیا کھلِکھلا رہی ہے اس کی ہنسی تو دیکھو — رُخ پر لٹیں پڑی ہیں وارستگی تو دیکھو

قدرت کا ہر کرشمہ اسکو ہنسا رہا ہے — اک کھیل بنکے اس کی نظروں میں آرہا ہے

ظاہر ہے بھولے پن سے قدرت کی کارسازی — خوبی کو ناز اس پر خود اس کو بے نیازی

کیا لطف ہو جو یہ لب باتوں سے آشنا ہوں — گو اب بھی خوش ادا ہیں تب اور خوش ادا ہوں

چھیڑوں میں اسکو لیکن جھیپے تو مُنہ چڑائے — چل دے تو لطف میرا حسرت کا داغ کھائے

غم سے کبھی نہ یارب اسکی ہنسی ہو زائل — رکھے لڑکپن اس کا اسکو ہنسی پہ مائل

یہ گل رہے شگفتہ یونہی ہنسی کے مارے — برجِ دہن سے یونہی چمکا کریں ستارے

کیا چیز ہے لڑکپن پروا نہیں کسی کی
اے شوقؔ عمر طفلی ہے جان زندگی کی

———— ❖ ————

جنگل

پیڑ کچھ چھوٹے اِدھر ہیں کچھ بڑے ہیں اُس طرف
کچھ اِدھر لیٹے ہوئے ہیں کچھ کھڑے ہیں اُس طرف

پتلی پتلی انکی شاخیں جنمیں پتے جنمیں پھول
وہ ہے ساکھو، وہ ہے شیشم وہ ہے بینا وہ ببول

کیا لبھاتی ہے نظارے کو بیلونکی بہار
پتیاں سر سبز اور اُنمیں زرد پھولوں کی بہار

مختلف شکلوں کے طائر، مختلف رنگوں کے پر
کچھ زمیں پر چن رہے ہیں کچھ ہیں بالائے شجر

چلتے پھرتے ہیں زمیں پر مور طنازی کے ساتھ
بلبلیں شاخوں پہ گاتی ہیں خوش آوازی کے ساتھ

ابلقے، کچھ پر سیاہ اسکے ہیں اور کچھ پر سپید
لال جنکے سُرخ پر ہیں اور خال ان پر سپید

نغمہ پیرا شاخ پہ شاما کہیں دہیر کہیں
طوطی خوش لہجہ بیٹھا ہے پھُلائے پر کہیں

غُل ہے میناؤں میں لڑتی بھی ہیں چلاتی بھی ہیں
گھاس سے کیڑوں کو وہ چنتی بھی ہیں کھاتی بھی ہیں

وہ ہے اس شیشم پہ کوّا جس کا ہر انداز بد
سر سے پاؤں تک ہے کالا۔ رنگ بد، آواز بد

جا بجا سبزہ زمیں پر، جا بجا خالی زمیں
دھوپ سے زرد اور سائے سے کہیں کالی زمیں

جا بجا خوش رنگ بوٹے جا بجا بیلوں کے جال
پھول جس میں ہیں کاسنی، اُودے، گلابی زرد لال

اس طرف دیکھو نشیب اور اس طرف دیکھو فراز
دوب ایسی سبز جسکے رنگ پر فطرت کو ناز

خشک پتے جنکو پیڑوں سے گراتی ہے ہوا
ان کو ٹکرا کر بہم جھنجھنا بجاتی ہے ہوا

مائل جنبش ہیں شاخیں بھی ثمر بھی ہر طرف
ہلتے ہیں پھیلے ہوئے ہاتھ اور سر بھی ہر طرف

دن ہی کو پیڑوں کے سائے سے اندھیرا ہے کہیں
جھاڑیوں نے پھیل کر پیڑوں کو گھیرا ہے کہیں

مل گئیں جب صنعتیں فطرت کی اور انسان کی
تب ہوئیں پیدا زمیں پر خوبیاں اس شان کی

مور

طاؤس کا رقص میں وہ آنا | آواز سے کرنا بجانا
وہ تاج زمردی سروں پر | سونا ہے چڑھا ہوا پروں پر
دم کا پھیلاؤ حسن کی شان | گردن کا تناؤ حسن کی شان
ہر پر میں اُداہٹ اور سیاہی | اس میں پھر رنگ سبز کاہی
کیا لطف دکھا رہی ہے زردی | کیا خوب ہے رنگ لاجوردی
زردی کی چمک سے بڑھ گئی شان | سبزی میں چمک سے پڑ گئی جان
پکھراج اس میں زمرد اس میں | کندن کا جڑاؤ بے حد اس میں

چلنے پھرنے میں دم پڑی ہے
رقصاں ہے تو پھیلی ہے کھڑی ہے

باغ و بہار

کنج دلچسپ - ان میں کلیوں اور پھولوں کی بہار
سر پہ سایہ اور پاؤں کے تلے ہے سبزہ زار
ہر روش کے دونوں جانب سبز مخمل کا ہے فرش
ہے نئی دوب اس سبب سے رنگ میں ہلکا ہے فرش
کھلتی ہیں شاخوں میں کلیاں جب کھلاتی ہے ہوا

ہلتی ہیں پھولوں کی شاخیں جب ہلاتی ہے ہوا
ایک گیندا پتیاں خوش رنگ جس میں سینکڑوں
ایک گل پیش نظر ہیں جس کی قسمیں سینکڑوں
پتیاں ہیں لال لال اور ان میں زیرہ زرد زرد
گرد آگ اور بیچ میں سونا ہے لیکن آگ سرد
حوض بھی نہریں بھی فواروں کا جن میں لطف ہے
بلبلے شفاف سیاروں کا جن میں لطف ہے
لڑکھڑاتی چلتی ہے ہر موج متوالے کی چال
مچھلیاں پھرتی ہیں ان میں پیاری پیاری لال لال
ایں! جو سورج ڈوبتا ہے شوق اب تو گھر چلو
اس چمن سے کل کے نظارہ کا وعدہ کر چلو

بندھیاچل کی چاندنی رات

چاندنی رات اور بندھیاچل کا جنگل پرفضا
مالوے کی شب کہ گرما میں بھی سرد اسکی ہوا
چاندنی کا صاف ستھرا فرش صحن کوہ پر
سایۂ اشجار سے چھٹکے ہوئے اُس پر شجر
چاندنی کے پھول روشن چاندنی کے نور سے
چاندنی ایسی کہ تم پتوں کو گن لو دور سے
گر رہا ہے کوہ پر جھرنوں سے پانی جابجا
دے رہی ہے لطف نہروں کی روانی جابجا
چاندنی کے نور سے شفاف نہروں کی چمک
چاند کے پرتو سے اُن نہروں میں لہروں کی چمک

برگ برگِ نخل کو جنبش میں لاتی ہے ہوا ڈالیوں کو دیکے جھٹکے پھل گراتی ہے ہوا
جا بجا پھولوں کے غنچے جا بجا بیلوں کے جال جا بجا کھولے ہیں برگد کی جٹاؤں نے اپنے بال
وہ پپیہے کی صدا جو کہہ رہا ہے "پی کہاں" کوئل اب بولی خدا جانے یہ اب تک تھی کہاں
کوئی نیچی۔ کوئی اونچی۔ ہر پہاڑی مختلف شکل میں۔ پھیلاؤ میں جھاڑی سے جھاڑی مختلف
شپر اڑتے پھرتی ہیں پیڑوں پہ پھل کھاتی ہوئے جا رہے ہیں زاغ اڑتے اور بل کھاتی ہوئے
وہ ادھر سرخاب پانی میں پڑے ہیں دیکھنا وہ کنارے پر ادھر سارس کھڑے ہیں دیکھنا
گونج اٹھتا ہے پہاڑ ان سارسوں کے شور سے تھوڑی تھوڑی دیر میں بول اٹھتے ہیں کس زور سے
جانور جنگل میں آتے ہیں نظر پھرتے ہوئے پہنچے کھانے کو ثمر دیکھے جہاں گرتے ہوئے
پیتے ہیں چشموں کا پانی لیکن اندیشہ کیسا تھ خوف ہی ان کو کہ پڑ جائیں نہ یہ شیروں کے ہاتھ
نیلگوں رنگِ سما اس پر ستارے جلوہ گر جیسے آئیں بلبلے جمنا کے پانی پر نظر
چاند پھرتا ہے زمیں کے گرد کس انداز سے کوئی خوش رو جس طرح ٹہلے ادا سے ناز سے
ہے زمیں سے انس اسے گو فاصلے پر ہٹ گیا یہ زمیں کے دل کا ٹکڑا ہی تو ہے جو کٹ گیا

کون گھر جائے بھلا منہ اس ہوا سے موڑ کر
میں نہیں جانے کا شوق ایسی فضا کو چھوڑ کر

آمدِ بہار

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی بہار آئی بہار آئی بہار آئی بہار آئی
بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

جہاں سے مٹ گیا برگ خزاں کا بد نما سکہ
بہار اب ڈھالتی ہی اشرفی کے پھول کا سکہ

ہوائے صبح اسکے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہی
ہنسی اڑتی ہیں کلیاں جب یہ انکو منہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اسنے برفِ صاف پگھلاکر
رواں ہو کر وہی پانی سمندر میں ملا جاکر

شمیم باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردہ سے سبزے کے نکلنے کا

دلھن کی شکل ہر گل نے لباس سرخ پہنا ہی
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہی

ہوا مشاطگی پر نیر اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دنیا کا رخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رخ پہ زردی ہے
کہ وہ فوج اسپہ غالب آئی جسکی سرخ وردی ہے

نکل آئے حجابِ اصل سے گل پیرہن لاکھوں
کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لاکر
محبت سے ہوا منہ چومتی ہے بار بار آکر

جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں ان کو جکڑتی ہی زمیں کو وہ جکڑتی ہیں

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

عیاں سبزہ پہ الفت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کی بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالہ کے کہ انگارے دہکتے ہیں

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جنکی
ادائیں دلربا جن کی صدائیں نغمہ زا جن کی

بہار آنیسے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

دیا ہی تتلیوں کو رزق کا ساماں پھولوں نے
کیا بھونروں کو جوشِ فیض سے مہماں پھولوں نے

ہوا ہی نے کھلائی گل ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جسنے کیا پیدا وہی پھر ان کو کھاتی ہے

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حسنِ فانی پر
گھمنڈ انسان کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

جنگل کی رات

جنگل کی اندھیری رات سنسان — بادل بھی گھرا ہوا پریشان

جھونکوں میں غضب کی سنسناہٹ — شاخوں میں رگڑ بلا کی آہٹ

پیڑوں کا وہ ہولناک انداز — شیروں کی وہ خوفناک آواز

شعلوں کا وہ خود بخود بھڑکنا — پتّوں کا وہ جا بجا کھڑکنا

وہ بوم کا ہو، وہ ہُو کا عالم — وہ وہم کی صورتِ مجسّم

او حسن وہاں بھی جلوہ گر تو

جگنو بن کر اِدھر اُدھر تو

بادل کا پھٹنا

وہ ہوا نے زور باندھا اور بادل پھٹ گیا — کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ پردہ ہٹ گیا

صحن سونے کا ہے چھت سونے کی گھر سونے کے ہیں — پھول پھل پتّے ہیں سونے کے شجر سونے کے ہیں

کیمیا گر ہے مگر عالم میں خورشیدِ فلک — جس کی صنعت سے پہاڑوں میں ہے سونے کی چمک

مختلف چڑیاں اُڑیں کوّے اُڑے چیلیں اُڑیں — اپنے اپنے آشیانے سے ابابیلیں اُڑیں

بھوک سے ہیں سب پرندے اور چرندے بے حواس — ڈھونڈتا ہے کوئی کیڑے کوئی پھل اور کوئی گھاس

ہے نرالی سب سے خرگوشوں کے چلنے کی ادا — کیا بھلی معلوم ہوتی ہے اُچھلنے کی ادا

سبز میدانوں میں پھرتے ہیں ہرن چرتے ہوئے — دیکھ لیتے ہیں مگر چاروں طرف ڈرتے ہوئے

برسات کی شام

دن ہے کم دیکھو ہٹا مغرب سے وہ ابرِ سیاہ
کھل گئی دنیا میں آنے کیلئے کرنوں کی راہ

بن گیا خورشید ہلکے رنگ کے سونے کا طشت
دھوپ سے کچھ کچھ سنہرے ہو گئے اشجار و دشت

وہ شفق کی سُرخ رنگت اور فلک کا مرغزار
ساؤنی پھولی ہوئی گویا دکھاتی ہے بہار

کوہ کے دامن میں یا لالے کا تختہ ہے عیاں
یا جسے کہتے ہیں چرخ اک کوہ ہے آتش فشاں

جلوہ گر ہے چرخ پر سورج کے پرتو سے دھنک
یا اڑا پردہ کھلی محرابِ ایوانِ فلک

یا کسی کے واسطے کھولے ہے آغوش آسماں
یا لئے ہے دوش پر ترکِ فلک اپنی کماں

دستکاری اپنی کی معمار قدرت نے عیاں
سات رنگوں سے رنگا ہے طاق قصرِ آسماں
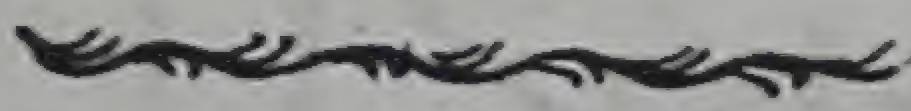
اقبال

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل

اے رہینِ خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل

وہ نمودِ اخترِ سیماب پا ہنگامِ صبح
یا نمایاں بامِ گردوں سے جبینِ جبرئیل

ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال ایم-اے-پی-ایچ-ڈی-بارایٹ-لا-لاہور

وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب — جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیلؑ!
اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں — اہلِ ایماں جس طرح جنّت میں گردِ سلسبیل!
تازہ ویرانے کی سودائے محبّت کو تلاش — اور آبادی میں تو زنجیریِ کشت و نخیل!

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ — یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا — غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں
تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا — ذرّہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں
حسنِ قدیم کی اک پوشیدہ یہ جھلک تھی — لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
چھوٹے سے چاند میں ظلمت بھی روشنی بھی — نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقابِ نیل — ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل
طشتِ گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب — نشترِ قدرت نے کیا کھولی ہے فصدِ آفتاب

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمِ خام کی

نمودِ صبح

ہو رہی ہے زیرِ دامانِ اُفق سے آشکار — صبح یعنی دخترِ دوشیزۂ لیل و نہار
پا چکا فرصت درودِ فصلِ انجم سے سپہر — کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار
آسماں نے آمدِ خورشید کی پا کر خبر — محملِ پروازِ شب باندھا سرِ دوشِ غبار
شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے — بوئے تھے دہقانِ گردوں نے جو تاروں کے شرار
ہے رواں نجمِ سحر جیسے عبادت خانے سے — سب سے پیچھے جائے کوئی عابدِ شب زندہ دار
کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی — کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آبدار
مطلعِ خورشید میں مضمر ہے یوں مضمونِ صبح — جیسے خلوت گاہِ مینا میں شرابِ خوشگوار
ہے تہِ دامانِ بادِ اختلاط انگیزِ صبح — شورشِ ناقوس آوازِ اذاں سے ہمکنار

جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار

گھٹا

گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ گھٹا — عجیب میکدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا
چمن میں حکمِ نشاطِ مدام لائی ہے — قبائے گل میں گہر ٹانکنے کو آئی ہے
ہوا کے زور سے ابھرا بڑھا اڑا بادل — اٹھی وہ اور گھٹا لو برس پڑا بادل

چاندنی رات

آسماں بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے
یعنی دھندلا سا جبین ماہ کا آئینہ ہے
چاندنی پھیکی ہے اس نظارہ خاموش میں
صبحِ صادق سو رہی ہے رات کی آغوش میں
اس قدر اشجار کی حسرت فزا ہے خامشی
بربطِ قدرت کی دھیمی سی نوا ہے خامشی

فطرتِ نظّارہ امکاں سراپا درد ہے
اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے

کنارِ راوی

سکوتِ شام میں محوِ سرود ہے راوی
نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی
پیام سجدہ کا یہ زیر و بم ہوا مجھکو
جہاں تمام سوادِ حرم ہوا مجھ کو

سرِ کنارۂ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں

شرابِ سرخ سے رنگیں ہوا ہے دامنِ شام
لئے ہے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام
عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا
شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا
کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خوابگہِ شاہ سوارِ چغتائی

ا شفق ۲ جہانگیر کے مزار کے مینار

فسانۂ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
کوئی زمانِ سلف کی کتاب ہے یہ محل

نظارہ موج کو پھر وجۂ اضطراب ہے کیا
یہ کہنہ مشق نوآموزِ پیچ و تاب ہے کیا

مقام کیا ہے سرودِ خموش ہے گویا
شجر! یہ انجمن بے خروش ہے گویا

رواں ہے سینۂ دریا پہ اک سفینۂ تیز
ہُوا ہے موج سے ملّاح جس کا گرم ستیز

سبک روی میں ہے مثلِ نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقۂ حدِّ نظر سے دور گئی

جہازِ زندگیٔ آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

صُبح

آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ در دامن سحر
منزلِ ہستی سے کر جاتی ہے خاموشی سفر

محفلِ قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت

چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

خاموشی

ذیل کے اشعار علامہ ممدوح نے دریائے نیکر
(ہائیڈ برگ جرمنی) کے کنارے موزوں فرمائے تھے

خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا — فطرت ہے مراقبے میں گویا
وادی کے صدا فروش خاموش — کہسار کے سبز پوش خاموش
خاموش ہے چاندنی قمر کی — شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
تاروں کا خموش کارواں ہے — یہ قافلہ بے درا رواں ہے
کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے — نیکر کا خرام بھی سکوں ہے

اے دل خاموش تو بھی ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا

صبح

پردہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح — داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح

لالۂ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ

سینۂ بلبل کے زنداں سے سرود آزاد ہے
سینکڑوں نغموں سے بادِ صبحدم آباد ہے

خفتگانِ لالہ زار و کہسار و رود بار
ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہم کنار

حُسن

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حُسن
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرہ میں طوفانِ حُسن

حسن کوہستان کی سنسان خاموشی میں ہے
مہر کی ضو گستری شب کی سیہ پوشی میں ہے

آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت شفق کی گل فروشی میں ہے یہ

ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے

عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوئے آثار میں
طفلکِ ناآشنا کی کوششِ گفتار میں

چشمۂ کہسار میں دریا کی آزادی میں حُسن
شہر میں صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حُسن

وفا

شامِ غربت

وفاؔ صاحب کی اِن نظموں میں فطری جذبات کی جھلک پائی جاتی ہے، مگر چونکہ تمام نیچرل خصوصیات بھی موجود ہیں اسلئے انہیں اس سلسلہ میں لیا گیا ہے۔"

الوداع اے وقتِ مغرب کی شعاعِ آخری
انعقادِ بزمِ شب کی اطلاعِ آخری

ہوتی جاتی ہے ہم آغوشِ سوادِ شام تو
ہے مگر خو کردۂ تاریکئ ایام تو

یوں نہ برباد اے سبیلِ اجتماعِ جلوہ ہو
جانئ دُنیا میں گرم اختراعِ جلوہ ہو

اُف! یہ جاں پرور خرام دلربایانہ ترا
دامنِ دشت و جبل پر رقص مستانہ ترا

رقص کرتی تو اُترتی ہے در و دیوار سے
رقص کے انداز پیدا ہیں تری رفتار سے

رقص میں ہیں جانور تیری ادائے رقص پر
رقص کرتے ہیں شجر تیری ہوائے رقص پر

ابکے دونوں وقت آپس میں گلے ملنے کو ہیں
یعنی باہم صبح کے بچھڑے ہوئے ملنے کو ہیں

طائر اُڑنے کو پر پرواز پھیلانے لگے
اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جانے لگے

قلب زارم را سپردہ شامِ غربت کردۂ
با ملالم آشنائے رنجِ قربت کردۂ

چادرِ شب تان کر خورشیدِ خاور سو چلا
وادی و کہسار و صحرا پر اندھیرا ہو چلا

چھا رہی ہے غم کی تاریکی دلِ صد پارہ پر
پھرتی جاتی ہے سیاہی دامنِ نظارہ پر

آہ! میں غربت نصیب اور یادِ یارانِ وطن
وہ مرے غمخوار - میرے غمگسارانِ وطن

آہ! کسکی یاد سے یہ ہچکیاں آنے لگیں
کثرتِ رقت سے آنکھیں اشک برسانے لگیں

موجزن ہے جوشِ طوفاں بحرِ محسوسات میں
اک تلاطم سا بپا ہے قلزمِ جذبات میں

مَیں ہوں اک بے بہرۂ لطفِ بہارِ زندگی
نذرِ غربت ہیں مرے لیل و نہارِ زندگی

زندگی نام آمد و رفتِ نفس کا ہے فقط
ورنہ جینے کا سہارا یہ تمنا ہے فقط

کر سکوں غربت میں کوئی کارِ بہبودِ وطن
کاشکہ میرا زیادہ ہو مثمر سودِ وطن

کِسان

جب زمانے میں عمل ہوتا ہے پچھلی رات کا
بے خبر سوتا ہے ذرّہ ذرّہ موجودات کا

کشورِ عالم پہ ہوتی ہے حکومت نیند کی
زیر کر لیتی ہے دنیا بھر کو طاقت نیند کی

لیتے ہیں لطفِ نظارہ نیند کی وادی میں سب
پہنچے ہوتے ہیں اسی خاموش آبادی میں سب

ہوتی ہے ساری خدائی دوش بر دوشِ سکوت
شورشِ ہنگامۂ ہستی ہم آغوشِ سکوت

جنبشِ موجِ ہوا دیتی ہے پیغامِ سکون
دوڑتے ہیں تارِ خاموشی میں احکامِ سکون

برف بنجاتا ہے جب آبِ رواں دریاؤں میں
اور ہو جاتی ہیں ساکن آندھیاں صحراؤں میں

بند ہو جاتا ہے سطحِ بحر پہ موجوں کا شور
دشت میں رہتا نہیں جنات کی فوجوں کا شور

چرخ پر تارونکی ہو جاتی ہے جب رفتار سُست
چلتی ہے جب نبضِ بیمارِ فراقِ یار سُست

جبکہ پڑجاتی ہے مدھم گردشِ افلاک بھی
اونگھتی ہے پے بہ پے نوبیوۂ غمناک بھی

طفل نوزائیدہ کی ماں کو خبر ہوتی نہیں
طبع شاعر کو تلاشِ شعرِ تر ہوتی نہیں

بیٹھ کر لیتا ہے سیدھی راہ شب باش بھی
اور منہ سے جاتے ہیں پیہم دیدۂ خفاش بھی

درد کے ماروں کو بھی مسحور کر دیتی ہے نیند
شوزشِ زخم جگر کافور کر دیتی ہے نیند

کوئی پھرتا ہے بہ احوالِ پریشاں خواب میں
اور کرتا ہے کوئی سیرِ پرستاں خواب میں

الغرض چاروں طرف کامل سکوں ہوتا ہے جب
منجمد خوابیدہ شریانوں میں خوں ہوتا ہے جب

آبِ ساکن آسمانِ نیلگوں ہوتا ہے جب
بے صدا ہنگامۂ دنیائے دوں ہوتا ہے جب

ہوتا ہے جب شہرِ خاموشاں جہانِ زندگی
روئے عالم پر نہیں ملتا نشانِ زندگی

لے کے عین اسوقت اُٹھتا ہے خدا کا نام تو
یعنی پیارا جان سے رکھتا ہے اپنا کام تو

ملتوی کرتا ہے کل پر راحت و آرام تو
کھیت میں جاتا ہے پی کر چھاچھ کا اک جام تو

ہل چلاتا ہے وہاں اِک رنگ میں گاتا ہوا
گرد و پیش اپنے سرور و کیف برساتا ہوا

توڑ دیتی ہیں تری تانیں سکونِ شب کا تار
بربطِ گیتی میں ہو جاتے ہیں نغمے بیقرار

گونجتی ہے دور تک تیری صدائے خوشگوار
باغ میں۔ آوے پہ ٹیلوں سے پرے نالے کے پار

طاری ہو جاتا ہے عالم وجد کا چار و نطرف
اور بندھ جاتی ہے مزا کی ہوا چار و نطرف

⁂

ڈیک[۱]

مرحبا اے ڈیک[۱] اے جانِ تقدّس مرحبا
مرحبا اے مظہرِ شانِ تقدّس مرحبا

آتی ہے پربت سے تو اٹھکھیلیاں کھاتی ہوئی
ہر جگہ دامان اہلِ آرزو بھرتی ہوئی

تیرے گرد و پیش فیضِ عام جاری ہے ترا
قائم اب تک شیوہ شاداب کاری ہے ترا

پاس سے جن جن زمینوں کے گذر جاتی ہے تو
اِک اچھالے سے انہیں سیراب کر جاتی ہے تو

وہ جو کہتے ہیں کہ تو بے مرشد و بے پیر ہے
کیا خبر اُن کو تیری کیا عظمت و توقیر ہے

یہ جو شاکی عبث تیری غضبناکی کے ہیں
آہ! آخر رہنے والے عالمِ خاکی کے ہیں

تو تلاطم آشنائے انقلابِ روزگار
انکی ہستی سر بسر موجِ سراب روزگار

رکھنا اپنا ہی خیال ان کا یہی دستور ہے
آپ اگر ڈوبے تو جگ ڈوبا مثل مشہور ہے

شانِ خلاقی کو خالق کھو نہیں سکتا کبھی
بندے کا چاہا ہمیشہ ہو نہیں سکتا کبھی

آدمی کو دخل قدرت کے اصولوں میں نہیں
کونسا گلشن ہے کانٹے جسکے پھولوں میں نہیں

آئیں جائیں اور مریں انساں بہے جاتی ہے تو
قائم اپنی وضعداری پر رہے جاتی ہے تو

حضرت سرور جہان آبادی

سرور

بیر بہوٹی

آہ! او ننھے سے کیڑے نازشِ صحرا ہے تو   دشت میں اک سُرخ چھوٹا سا گلِ رعنا ہے تو
صفحۂ ہستی پہ اک نقشِ تحیر زا ہے تو   شعلۂ زارِ حُسن کی چھوٹی سی اک دنیا ہے تو

برقِ عالم سوز کی ننھی سی ہیکل ہے کوئی
آتشِ یاقوت کی چھوٹی سی منقل ہے کوئی

کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا   سرخ ڈورا ہے کسی چشمِ فسوں پرداز کا
قطرۂ مضطر ہے خونِ کُشتگانِ ناز کا   قلب خوں گشتہ ہے مژگاں پہ کسی جانباز کا

یا شفق کا کوئی ٹکڑا ہے زمیں پر جلوہ گر
جامِ زریں میں ہے یا صہبائے احمر جلوہ گر

گُل بداماں ہے شفق میں شعلۂ تنویرِ حسن   خونِ عاشق یا زمیں پر ہے گریباں گیرِ حسن
یا عقیقِ سرخ کی چھوٹی سی ہے تعمیرِ حسن   نقشِ نیرنگِ فسوں ہے یا کوئی تصویرِ حسن

جلوہ گُل ہے فضائے وادیٔ پرخار میں
سرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار میں

جلوۂ گُل سے ہے رنگین روئے زیبائے بہار   نازنیں ہے یا کوئی محوِ تماشائے بہار
یا مئے گلرنگ سے گلگوں ہے مینائے بہار   یا ہے آغشتہ بخوں داغِ سویدائے بہار

سبزۂ کہسار نے یا لعل اگلا ہے کوئی
چن رہی پھول یا دوشیزہ رعنا کوئی

گنگا

اے آبِ رودِ گنگا! اُف ری تری صفائی
یہ تیرا حُسن دلکش! یہ طرزِ دلربائی

تیری تجلیاں ہیں جلوہ فروشِ معنی
تنویر میں ہے تیری اِک شانِ کبریائی

جمنا تری سہیلی۔ گو ساتھ کی ہے کھیلی
اُس میں مگر کہاں ہے تیری سی جانفزائی

بے لوث تیرا دامن ہے داغِ معصیت سے
موزوں ہے تیرے قد پر ملبوسِ پارسائی

دلبند ہم ہیں تیرے۔ لختِ جگر ہیں تیرے
نخلِ مراد ہے تو اور ہم ثمر ہیں تیرے

مینو سواد تجھ سے ہیں وادیاں ہماری
اور کشتِ آرزو ہے رشکِ جناں ہماری

وہ دن بھی ہو گا۔ ہونگے جب ہم غریقِ رحمت
اور تیری نذر ہوں گی یہ ہڈیاں ہماری

گنگا میں پھینک آنا بعدِ فنا اُٹھا کر
برباد ہو نہ مٹی او آسماں ہماری

یارب نہ دفن کر کے احباب بھول جائیں
لیکن ہمارے خوش خوش گنگا کو پھول جائیں

اُو پاک نازنین! او پھولوں کے گہنے والی
سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی

او ناز آفریں! او صدق و صفا کی دیوی
او عفتِ مجسم پربت کی رہنے والی

صلِّ علیٰ! یہ تیری موجوں کا گنگنانا
وحدت کا یہ ترانہ! او چپ نہ رہنے والی

حُسنِ غیور تیرا ہے بے نیاز ہستی
تو بحرِ معرفت ہے او پاکباز ہستی

ہاں تجھ کو جستجو ہے کس بحرِ بیکراں کی
ہم پر تو کچھ حقیقت کھُلتی نہیں جہاں کی

اے پردہ سوزِ امکاں! اے جلوہ ریزِ عرفاں
تو شمع انجمن ہے کس بزمِ دلستاں کی
کیوں جادۂ طلب میں پھرتی کشاں کشاں ہے
تجھ کو تلاش ہے کس گم گشتہ کارواں کی
جاتی ہے تو کہاں کو۔ آتی ہے تو کہاں سے
وابستگی ہے تجھ کو کس بحر بے نشاں سے

آئی نظر تجلّی جب شاہدِ ازل کی
ذرّوں میں جا کے چمکی پھولوں میں جا کے جھلکی
ہندوستان ہے اِک دریائے حُسنِ قدرت
اور اسمیں پنکھڑی ہے تو خوشنما کنول کی
نکلی ہمالیہ سے محوِ خروش ہو کر
تو آہ تشنہ لب تھی وہ جلوۂ ازل کی
کرتی ہوئی زمیں پر موتی نثار آئی
درشن کو آہ! ہر کے تو ہردوار آئی

یہ جوش سبزہ گُل۔ یہ تیری آب باری
قدرت کے چپّہ چپّہ پر یہ شگوفہ کاری
ہندوستاں کو تو نے جنّت نشاں بنایا
نہریں کہاں کہاں ہیں تیری کرم کی جاری
اے آب رودِ گنگا! موجوں میں تیرے ملکر
موجِ سراب ہستی ہو بے نشاں ہماری
بعدِ فنا ہمارے پھولوں میں بُو ہو تیری
گم ہوں رہِ طلب میں تو جستجو ہو تیری

آئے اجل کی زد پر جب اپنی عمر فانی
اور ختم رفتہ رفتہ ہو سیل زندگانی
دنیا سے آہ! جب ہو اپنے سفر کا ساماں
بالیں پہ اقربا ہوں سرگرم نوحہ خوانی
جب ہونٹ خشک ہوں اور دشوار ہو تنفّس
احباب اپنے مُنہ میں ٹپکائیں تیرا پانی
ہنستے ہوئے جہاں سے ہم شاد کام جائیں
دُنیا سے پی کے تیری اُلفت کا جام جائیں

جمنا

دھیمی دھیمی بہنے والی ایک نہرِ دل نشیں | آبجو چھوٹی سی، اِک نازک خرام و نازنیں
تشنگیٔ شوق گنگا میں بجھانے کے لئے | جا رہی ہے اپنی ہستی کو مٹانے کیلئے
یہ وہ جمنا ہے کہ دلکش جسکا ہے اندازِ حُسن | دیکھتے ہیں آہ عاشق جسکا خوابِ نازِ حُسن
یہ وہ جمنا ہے کہ گاتی ہیں سخنور جسکے گیت | مطربانِ خوش گلو کی ہیں زباں پر جسکے گیت

یہ وہ جمنا ہی جہاں لے لیکے جلوت کے مزے | لُوٹے ہیں عشاق نے برسوں محبت کے مزے
یہ وہ جمنا ہی کہ رادھا سی حسیں نے مدتوں | برج کی اِک پاکدامن نازنیں نے مدتوں
بنسی[1] والے کی جدائی میں اُڑا کر سر پہ خاک | اپنے اشکوں سے کیا ہی دامنِ ساحل کو پاک
یہ وہ جمنا ہی جہاں اِک بانوئے پردہ نشیں[2] | آگرہ میں محوِ آسائش ہے جو زیرِ زمیں
رُخ سے آہستہ اُلٹ کر چادرِ آبِ رواں | دیکھتی تھی مُسکرا کر منظرِ آبِ رواں

آہ! اے نہرِ لطافت! آہ! اے بحرِ جمال | دل میں ہے پہلو نشیں اب تک ترا نقشِ خیال
گرچہ تجھ میں اب نہیں وہ جلوۂ شانِ کہن | وہ حسیں تو ہے کہ ای شمعِ شبستانِ کہن
حُسنِ رفتہ میں ہی تیرے اب بھی اک دلکش ادا | تیرے کُملائے ہوئے پھولوں میں ہی بوئے وفا

تو وہ دریائے مقدّس ہی کہ ہی عصیاں سے پاک | تیرا دامن اب بھی ہی آلائش انساں سے پاک

۱؎ مراد کشن جی۔ ۲؎ ممتاز محل بیگم۔

تیری شوکت کے ہیں شاہد اے وفادارِ کہن — تیرے برجوں اور ترے قلعوں کے آثارِ کہن
تیرے ساحل سے ٹپکتی اب بھی ہے شانِ بلند — آسماں فرسا ہیں اب بھی تیرے ایوان بلند
تیرے فرسودہ نشاں ہیں نقشِ نازِ حُسن و عشق — تیری موجوں میں نہاں ہے آہ! رازِ حُسن و عشق

⁂

آہ! او نرگس ادا! او! دلّی والی نازنیں — او! او عالم کے حسینوں سے نرالی نازنیں
یاد آیا میکہ دلکش تھے تیرے نقش و نگار — دن مرادوں کے تھے۔ اور جوش جوانی کا ابھار
چڑھ کے جب مینار پر اک لعبتِ[۱] نازآفریں — دیکھتی تھی تیری موجوں کی ادائے دلنشیں
وہ کفِ سیلاب۔ وہ شورِ تلاطم ہائے ہائے — تیری موجوں کا وہ اندازِ تبسّم ہائے ہائے

⁂

دھیمی دھیمی وہ تری رفتار بل کھائی ہوئی — وہ نظر جھینپتی ہوئی چتون وہ شرمائی ہوئی
وہ سُریلی نغمۂ جوش تلاطم کی صدا — آہ! وہ دلکش ترے سازِ ترنم کی صدا
برج کی او پاکدامن او مقدّس نازنیں — نقش ہے دل پر تری اک اک ادائے دلنشیں

⁂

اب کہاں جمنا! تری موجوں کی مستانہ وہ چال — اب کہاں پانی کے جھرنے اور وہ لطفِ برشگال
اب کہاں چھوٹا سا وہ رادھا کا کنج خوشگوار — اب کہاں وہ آہ! متھرا! تیرے پھولوں کی بہار
اب کہاں وہ بنسی والے کی ادائے جاں نواز — اب کہاں وہ آہ! مُرلی کی صدائے جاں نواز
اب کہاں وہ خلوتِ رازو نیازِ حُسن و عشق — بے صدا زیرِ زمیں ہے آہ! سازِ حُسن و عشق

[۱] روایت ہے کہ پرتھوی راج نے دہلی کا وہ مینار جو آج قطب کی لاٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اِس غرض سے بنوایا تھا کہ اسکی بیٹی مینار پر چڑھ کر جمنا جی کے درشن کر سکے۔

او تلوّن کیش! او کافر ادا! اور دوں شعار | تو نے بدلے رنگ لاکھوں آہ! وضع روزگار
خاک اُٹھا کر آہ! سر پر دامنِ ساحل اُڑا | ٹکڑے ٹکڑے کر جگر کو۔ پارہ ہائے دل اُڑا
سوزشِ غم سے پگھل جا آہ! اے ریگِ رواں | ذرّے ذرّے میں ترے تصویرِ عبرت ہی نہاں
اب کہاں وہ کنجِ دلکش اب کہاں رادھا کا عیش | ہے برنگِ خندۂ گل بے بقا دنیا کا عیش

ای خوشا قسمت تری جمنا! خوشا! تیرے نصیب | واہ وا! تیرا مقدّر۔ واہ وا۔ تیرے نصیب
تو نے دیکھی ہے بہت دن مرلی والے کی ادا | دونوں عالم کے حسینوں سے نرالے کی ادا
اور سُنی بنسی کی ہے برسوں صدائے دل نواز | داستانِ دردِ دل۔ افسانۂ سوز و گداز
محشرستانِ الم کمبخت ہے کر دل کو چاک | چیر پہلو کو کہ نکلیں نالہ ہائے دردناک

تا کُجا! یہ سرگذشتِ داستانِ درد و غم | چھیڑ اے جمنا! کوئی تازہ بیانِ درد و غم
ہو نہ لیکن آہ! تیرا شورِ ماتم دل خراش | تیرے نالوں کی صدا یعنی ہو کم کم دلخراش
اے لبِ ساحل! سُنا ستیوں کی عصمت کا بیاں | پر وہ افسانہ میں سوزِ محبّت کا بیاں
تیرے پہلو میں ہے یہ کس حور وش کی یادگار | جس سے راتوں کو اٹھا کرتے ہیں آہوں کے شرار

آہ! فرسودہ نشانِ عصمتِ جاں باز تو | کس رہی پیکر کا ہے نقشِ وفائے ناز تو
ہے تری تعمیر میں مضمر وہی شانِ وفا | تیری ہر خشتِ کہن ہے جوہرِ کانِ وفا
غُل نہ کر۔ آہستہ آہستہ ہو اے جمنا! رواں | تاجِ عصمت کا یہاں ہے اک دُرِ یکتا نہاں
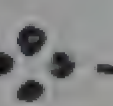
اے زہے! شوکت تری جمنا۔ زہے! اعزاز و نشاں
تجھ پہ لہرایا گیا اسلام کا صدیوں نشاں

ہائے! وہ ترکوں کے دستے اور وہ سنگینوں کی شان
ترچھے بانکے وہ جواں۔ وہ چار آئینوں کی شان

بے صدا زیر زمیں ہے بزم شاہانِ غیور
آہ! جمنا! تجھ میں لیکن ہے وہی شانِ غرور

آہ! او! شکوہ طرازِ دستِ بیدادِ اجل
رونہ خونِ آرزو۔ او! محوِ فریادِ اجل

آہ! اس دارِ فنا میں ہے بقا کس کیلئے
چھوڑنے والا ہے شاہینِ قضا کس کیلئے

آہ! اُس خوابِ شبانہ کا ہی مجھکو انتظار
اُس سرورِ عاشقانہ کا ہے مجھکو انتظار

تیری اک اک موج تھی جب آہ! طوفاں کوشِ شوق
حلقۂ گرداب تھا جب ہالۂ آغوشِ شوق

جب کسی کے گیسوئے پُرخم کی سودائی تھی تو
اور لبِ ساحل پہ روضہ کی تماشائی تھی تو

آہ! جمنا! تجھکو دورِ باستانی کی قسم
شوکتِ دیرینۂ صاحبقرانی کی قسم

کیا نہ ہونگے تجھکو وہ دلکش مناظر پھر نصیب
عظمتِ اسلام کے اگلے مظاہر پھر نصیب

ہو کے مضطر آہ! جوشِ اضطرابِ دل سے کیا
یونہیں ٹکرایا کرے گی سر کو تو ساحل سے کیا

کون یہ پردہ نشیں ہے تیری دامن میں نہاں
کِسکا چہرہ ہی نقابِ لفِ پُرفن میں نہاں

تیری امواج نہیں ہے یہ کس کی صدائے دلفریب
گا رہی ہے کون یہ غارت گرِ صبر و شکیب

خانۂ دل میں ہے تیرے کون محوِ رقصِ ناز
آ رہی ہے کسکی چھاگل کی صدائے جاں نواز

وہ سمن اندام ہے یہ شاہدِ پردہ نشیں
جسکے پھولوں میں ہی اب تک بوئے فردوس بریں

حوریں آکر خلد سے طوفِ مزارِ پاک کو
جھاڑتی پلکوں سے ہیں گرد و خس و خاشاک کو

ہ! اے نقش ونگار شوکتِ عہد کہن — آہ! اے آئینہ دارِ شوکتِ عہدِ کہن
ہمنے مانا تجھ میں اب وہ شان برنائی نہیں — وہ غرورِ حسن۔ وہ تمکیں۔ وہ رعنائی نہیں
ہمنے مانا تیرے چہرے کی ضیا جاتی رہی — تیری موجوں کی وہ مستانہ ادا جاتی رہی
منہ پہ گمنامی کا آنچل لے نہ اے پردہ نشیں — یونہی سرگرم خرام ناز رہ اے نازنیں
سر کو ٹکرایا کرے ساحل سے سیل روزگار — تیری شہرت کے نشاں صدیوں رہینگے یادگار

چکبست

برسات

بندھ گئی ہے رحمتِ حق سے ہوا برسات کی — نام کھلنے کا نہیں لیتی گھٹا برسات کی
اُگ رہا ہے ہر طرف سبزہ در و دیوار پر — انتہا گرمی کی ہے اور ابتدا برسات کی
دیکھنا سوکھی ہوئی شاخوں میں بھی جان آ گئی — حق میں پودوں کے مسیحا ہے ہوا برسات کی
پار اُتر جائیں گے بحرِ غم سے رندِ بادہ نوش — لے اُڑیگی کشتیِ مے کو ہوا برسات کی
خودبخود تازہ اُمنگیں جوش پر آنے لگیں — دل کو گرمانے لگی ٹھنڈی ہوا برسات کی
وہ دعائیں میکشوں کی اور وہ لطف انتظار — ہائے کن نازوں سے چلتی ہے ہوا برسات کی
میں یہ سمجھا ابر کے رنگین ٹکڑے دیکھکر — تخت پریوں کے اُڑا لائی ہوا برسات کی

ناز ہو جس کو بہارِ مصر و شام و روم پر
سرزمینِ ہند میں دیکھے فضا برسات کی

پنڈت برج نرائن چکبست

کشمیر

پانی میں ہے چشموں کے اثر آبِ بقا کا
ہر نخل پہ عالم خِضر سبز قبا کا
جو پھول ہے گلشن میں وہ ہے نور خدا کا
سائے میں شجر کے ہے اثر ظلِّ ہما کا

مُبداءِ کرم عام کی ہر جوئے رواں ہے
سرچشمۂ فیض چمن آرائے جہاں ہے

وہ موج ہوا کا حرکت ابر کو دینا
چشموں سے پہاڑوں کے وہ اُڑتا ہوا چھینٹا
گاتے ہوئے ملّاحوں کا وہ کشتیاں کھینا
ڈل کا وہ سرِ شام ادھر کروٹیں لینا

وہ عکس چراغوں کا جھلکتا نظر آنا
پانی کا ستارہ بھی چمکتا نظر آنا

ہر لالۂ کہسار ہے شکلِ گُلِ راحت
داغ اُس کے بامیں خالِ رُخِ حور مسرت
کیا سبزۂ خوش رنگ ہے سرمایۂ عشرت
دل کے لئے ٹھنڈک ہی جگر کیلئے فرحت

ایسا نہیں قدرت نے کیا فرش کہیں پر
اس رنگ کا سبزہ ہی نہیں روئے زمیں پر

وہ صبح کو کہسار کے پھولوں کا مہکنا
وہ جھاڑیوں کی آڑ میں چڑیوں کا چہکنا
گردوں پہ شفق کوہ پہ لالے کا لہکنا
مستوں کی طرح ابر کے ٹکڑوں کا بہکنا

ہر پھول کی جنبش سے عیاں ناز پری کا
چلنا وہ دبے پاؤں نسیمِ سحری کا

ؔ ایک جھیل کا نام ہے۔

وہ طائرِ کہسار لبِ چشمۂ کہسار — وہ سرد ہوا وہ کرمِ ابر گہر بار
وہ میوۂ خوش رنگ وہ سرسبز چمن زار — اک آن میں صحت ہو جو برسوں کا ہو بیمار

یہ باغِ وطن رو کشِ گلزارِ جناں ہے
سرمایۂ نازِ چمن آرائے جہاں ہے

ہے خطۂ سرسبز میں اک نور کا عالم — ہر شاخ و شجر پر شجرِ طور کا عالم
پردیں ہے یہ خوشۂ انگور کا عالم — ہر خار پہ بھی ہے مژۂ حور کا عالم

نکلے نہ صدا ایسی مغنی کے گلو سے
آتی ہے جو آوازِ ترنم لبِ جو سے

میووں سے گرانبار وہ اشجار کے ڈالے — بکھرے ہوئے وہ دامنِ کہسار پہ لالے
اُڑتے ہوئے بالائے ہوا برف کے گالے — دیکھے جو کوئی دُور سے ہیں رُوئی کے گالے

وہ ابر کے ٹکڑوں کا تماشا شجروں میں
جھرنوں کی صدائیں وہ پہاڑوں کے دروں میں

چھوٹے ہوئے اس باغ کو گذرا ہے زمانہ — تازہ ہے مگر اس کی محبت کا فسانا
عالم نے شرف جن کی بزرگی کا ہے مانا — اُٹھتے تھے اسی خاک سے وہ عالم و دانا

تن جن کا ہے پیوند اب اس پاک زمیں کا
رگ رگ میں ہماری ہے رواں خون انہیں کا

ہاں میں بھی ہوں بلبل اسی شاداب چمن کا — ہے چشمۂ فردوس یہ عالم ہے دہن کا
کس طرح نہ سرسبز ہو گلزار سخن کا — ہے رنگِ طبیعت میں چمن زارِ وطن کا

تازے ہیں مضامین بھی طبیعت بھی ہری ہے

ہاں گلشنِ قومی کی ہوا سر میں بھری ہے

روش

طاؤس

یہ کیف گہ دشت یہ برسات کا موسم + یہ وجد کا عالم
ہے رقص میں طاؤس کہ اک رنگ مجسم + رقصندہ پیہم
سینائے کلیمی ہے کہ ہے سینۂ زریں + یا چشمہ سیمیں
جنبش میں ہے اعجاز ہے اک ادئی رنگیں + یا گردنِ پرخم
نیلوفری دم پر ہیں یہ پاشیدہ جواہر + یا چرخ پہ اختر
یا نیند سے جاگے ہوئے سبزے کی جبیں پر + ہے رقص میں شبنم
موسیقیٔ صحرا نہیں وجد میں رقصاں + صد رنگ بداماں
یا نغمۂ سرا ہے کوئی طاؤس خراماں + برہم زنِ عالم
اے جانِ ترنم! یہ تری زمزمہ سازی + جذبات نوازی
یہ سلسلۂ مستی، الحانِ حجازی + یہ نغمۂ پیہم
مدہوشیٔ "محویت کامل" سے جو جھوما + طاؤس نہیں تھا
میں نے ہی نہیں آج تو فطرت نے بھی دیکھا + نغمے کو مجسم

نادر

دھرتی ماتا

اے مری دھرتی ماتا مائی — اے سارے سنسار کی دائی

بوڑھے بچّے پالنے والی — کچّے بچّے پالنے والی

آدم و حوّا کی اولادیں — سب ہیں تیری ہی اولادیں

تیرے پیٹ پہ رووِیں گاویں — ناچیں کودیں شور مچاویں

تجھ سے پیدا چڑیا چُنگل — طوطے۔ مینا۔ شاما۔ بلبل

کالی گھٹائیں ساقن تیری — بادِ بہاری مالن تیری

باغ میں ہے ہریالا تیرا — گاتی ہے بُلبل سہرا تیرا

تیرے باغ اور تیرے جنگل — تیرے اکھاڑے تیرے دنگل

تیرے کھیت اور تیری جھیلیں — تیری دُکانیں تیری سبیلیں

تیری نہر کا بہتا پانی — برسوں دیکھی اس کی روانی

گھنٹوں بیٹھا ہوں میں جاکر — پاؤں پانی میں لٹکا کر

ہری بھری پھلواریاں تیری — وہ بیلے کی جھاڑیاں تیری

پھرتی ہیں یوں میری نظر میں — پائیں باغ ہو جیسے گھر میں

کوسوں تک وہ تیرا سبزا — دھانی۔ ماشی۔ کاہی۔ بھورا

کوسوں تک وہ تیرے میداں — ستھرے صاف۔ چٹیلے میداں

منشی نادر علی خاں نادر کاکوروی

چھٹکی چھٹکی جھاڑیاں اُس پر قدرت کی گُلکاریاں اُس پر
تال۔تلیّاں۔ دریا۔ ریتی باغ۔چمن۔ آبادی۔ کھیتی
ایسے تھے سب میری نظر میں پائیں باغ ہو جیسے گھر میں
جب میں یہ سب دیکھ رہا تھا خوش تھا دل اور یہ کہتا تھا
حدِّ نظر کو اور بڑھاؤں ایسی بلندی پر چڑھ جاؤں
ایسی چوٹی پر بیٹھوں میں صاف جہاں سے دیکھ سکوں میں
شہر اور صوبے۔ گاؤں اور قصبے بکھرے بکھرے۔ چھٹکے چھٹکے
سارا قدرت کا فرنیچر میرے آگے آئے سمٹ کر
ساری انسانی آبادی یعنی دُنیا کی آبادی
میرے آگے کھیل رہی ہو روتی گاتی اور ہنستی ہو
اس محویّت میں جب میں تھا مجھکو ہُوا معلوم کہ گویا
کوئی مجھکو کھینچ رہا ہے چونک پڑا میں کون ہے کیا ہے؟
لیکن آہ نہ جانا مَیں نے تجھکو نہ تھا پہچانا میں نے
اب جو مَیں نے ہوش سنبھالا غور سے تجھ کو دیکھا بھالا
کھل گئی تیری ظاہر داری دھوکہ بازی اور مکّاری
یعنی کشش وہ تیری ہی تھی تو ہی مجھ کو کھینچ رہی تھی

آخر تونے گرا کر چھوڑا
خاک میں مجھ کو ملا کر چھوڑا

اے مری جھوٹے وعدوں والی چکنی چپڑی باتوں والی

جس کی دوست اُسی کی دشمن — جس کی مولد اُسی کی مدفن

جسکو سنوارے اُسکو بگاڑے — جس کو پالے اُسی کو مارے

جانی دشمن اچھی خاصی — جان کی سبھ کی خون کی پیاسی
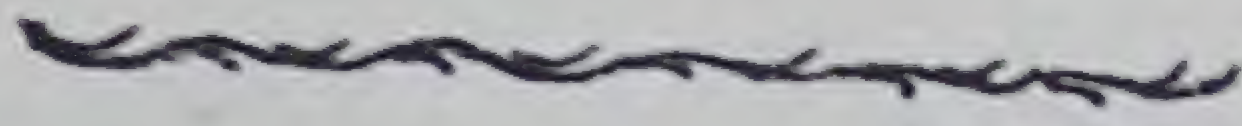
حیا

سکوتِ شام

حکومتِ صبح ختم ہوتی ہے، لشکرِ شام آ رہا ہے
شفق کے پردوں میں خسروِ آفتاب چہرہ چھپا رہا ہے
نظامِ عالم پہ ہے اُداسی، زمین ہیئت بدل رہی ہے
خموشیوں کا متین پرچم ہواؤں میں لہلہا رہا ہے
جہانِ فطرت میں لی ہے انگڑائی سب نے جو دن کو سو رہے تھے
اَب آسمان اپنی انجمن کو پھر از سرِ نو سجا رہا ہے

سکوت کا جام چل رہا ہے
سکوت دنیا بدل رہا ہے
سکوت ہر شے میں ڈھل رہا ہے

کنولِ خموشی کا جل رہا ہے۔ سکوت دنیا پہ چھا رہا ہے

۲

خموش ہیں دشت و کوہ و دریا ہیں محو گلزار و گلستاں بھی
ہر اک شے پر جمود سا ہے۔ یہاں بھی افسردگی وہاں بھی
نہ شور بازار میں کہیں ہے نہ غل ہے بچوں کا ہر گلی میں
اور اپنے گلے کو دشت سے لیکے لوٹ آیا ہے گلہ باں بھی

خبر نہیں حرکتِ نمو کو کیا یہ کس چیز نے معطّل ؟
خمیدہ سر ہیں تمام شاخیں سمٹتی جاتی ہیں پتیاں بھی
درخت پتھر بنے کھڑے ہیں، پہاڑ سایہ بنے ہوئے ہیں
سکوت میں آبشار بھی ہیں رواں ہیں چپ چاپ ندیاں بھی

عجب اداسی ہے مقبروں پر
عجیب ہیبت سی ہے دروں پر
تمام چھوٹے بڑے گھروں پر

تمام پُر جوش منظروں پر سکوت پردے گرا رہا ہے

(۳)

پرند پھر اپنے آشیانوں کی سمت جنگل سے آ رہے ہیں
جو نغمہ زن جوشِ صبح سے تھے "وہ شام" کے گیت گا رہے ہیں
دوپٹے جھاڑے ہوئیں روانہ پھر اپنے گھر کھیت والیاں بھی
پھر اپنے تھانوں پہ بیٹھنے کو کساں کے بیل جا رہے ہیں
تمام دن واقعاتِ نو نے بھرا ہے سازِ حیات ان کا
طیور کے پُر سکوں ترانے نئے فسانے سنا رہے ہیں

اُداس ہے شورشِ جہاں بھی
ہے سست رفتارِ کارواں بھی
تھکی ہوئی رجزِ سارباں بھی

یہ آخری نطق کا سماں بھی خموشیوں میں سما رہا ہے

ظفر علیخاں

دھوپ اور چاندنی

روزِ روشن میں مجھے کل ماہتاب آیا نظر — دھوپ کی تیزی تھی اور ڈھلنے لگی تھی دوپہر
یوں فلک پر ماند اور پھیکا نظر آتا تھا چاند — طفلِ مکتب کا پتنگ اُڑتا ہو جیسے اوج پر

روزِ روشن میں پڑھی کل میں نے اک شاعر کی نظم — اس کو نثری سے بھی پایا میں نے بڑھ کر منتشر

لیکن آخر جذبۂ دل کے تلاطم کیطرح — چشمۂ خورشید کی موجیں گئیں یکسر گذر
اور شب نے آکے شہر و وادیِ کہسار کو — چھا لیا اپنی خموشی اور حیا سے سربسر

چاند نکلا اوڑھ کر اسوقت چادر ناز کی — حورِ عیں آکر ہوئی جنّت سی گویا جلوہ گر
وادیِ شب پر بہایا اُس نے دریا نور کا — نقرئی ابر اُس نے برسایا زمیں پر یا مگر

اب جو پھر اس چاندنی میں نظم وہ میں نے پڑھی — وجد طاری ہو گیا مجھ پر ہوا ایسا اثر
منکشف مجھ پر کئے بنکر مفسّر رات نے — وہ دقائق اور معارف تھے جو اسمیں مستتر

طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

او نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا
اُلٹا ہے تو نے تختہ یارانِ آشنا کا

اچھا کیا ادا حق ہمسائیگی کا تو نے
ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا

اِک کاروانِ آصف اُترا ترے کنارے
او ناسپاس تو نے ڈالا اُسی پہ ڈاکا

تیری ہر ایک ٹکر داعی بنی اجل کی
تیرا ہر ایک تھپیڑ قاصد بنا قضا کا

منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر
سر پر ہے رات کالی طوفان ہی بلا کا

شب ہے شبِ قیامت دن ہے حساب کا دِن
وقت آگیا سزا کا عہد آگیا جزا کا

اِس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہے گا
کانٹا ہر ایک دِل میں غم کا چُبھا رہے گا

اُمڈی ہوئی ہے ندی چھایا ہوا ہے بادل
پاٹ اسقدر بڑا ہے سب ہو گیا ہی جل تھل

اِکبارگی گئے کُھل گردوں کے سب دریچے
بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول

قدرت کی طاقتوں کو دستِ فضا ہی روکے
اِنساں کی کوششیں ہیں بیکار اور معطل

ساحل پہ گھر ہیں جنکے وہ دِلمیں کہہ رہے ہیں
مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اوّل

پانی ہر اِک طرف سی گھیرے ہوئے ہی گھر کو
جاں تلملا رہی ہے دل ہو رہا ہے بیکل

گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب
ہے آج کوچ اپنا ساماں چلا گیا کل

ہر ہر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں
بلدہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل

واں موجب اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی
یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کا چنگل

محشر کا صور پھونکا موسئے کو بکو ہے
شورِ نشور برپا بلدہ میں چارسو ہے

مولانا غلام بھیک نیرنگ بی اے ایل ایل بی پلیڈر ابنالہ

برسات

ابر تھا چھایا ہوُا اور فصل تھی برسات کی — تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

آفتاب اوڑھی ہوئے تھا چادرِ آبِ سیاہ — برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ

بادل اتنے میں دُرِ ناسفتہ برسانے لگا — داستانِ قلزم وعماں کو دوہرانے لگا

جھُوم کر اٹھی گھٹا برسی برس کر چھٹ گئی — گرد کی چادر زمیں کے مُنہ سے فوراً ہٹ گئی

بادلوں سے نورِ خورشید اُس طرف چھننے لگا — سائباں قوس وقزح کا اِس طرف بننے لگا

جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور — کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور

ڈھل کے پہنچا تھا افق کے آستاں تک آفتاب — تھی شفق کی اُسکے مُنہ پر ایک نارنجی نقاب

یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دِل فریب — ہاتھ سے جاتا رہا دِل میرے اَور دِل سے شکیب

عالم از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا — جوش مستی کا میری رگ رگ میں ساری ہو گیا

نیرنگ

نیرنگِ شفق

ہوا ہے واردِ مغرب جو خسروِ خاور — بنا ہے اسکے لئے قصرِ زر نگار شفق

نگاہِ شوق کی گرمی سے جھینپ جاتی ہے — حیا کے جوش سے ہے سُرخی عذارِ شفق

دیا ہے ابر کو اک دھوپ چھاؤں کا خلعت — لگا جو بانٹنے انعام تاجدارِ شفق

اِسی کے شوق میں دن بھر سفر میں تھا خورشید ہُوا ہے کیا ہی محبّت سے ہمکنارِ شفق

خمِ فلک کو مئے لالہ گوں سے پُر کر کے قدح کشی میں ہے مصروف بادہ خوارِ شفق

عیدِ باراں

وہ بھیجا ابرِ دریا بار خالق کی عطاؤں نے اثر آخر دکھایا تشنہ کاموں کی دعاؤں نے

منادی رعد نے کی آمدِ بارانِ رحمت کی دیا بے تار پیغامِ طرب ٹھنڈی ہواؤں نے

گُہر برسے فلک سے لعل و نیلم خاک سے نکلے جواہر ریزیاں کیا کیا دکھائی ہیں گھٹاؤں نے

غضب ہے ابروئے قوسِ قزح کا غمزۂ رنگیں نگاہوں کو بنایا خوں بجاں اسکی اداؤں نے

لگایا ناخنِ قوسِ قزح نے زخمۂ رنگیں سماں باندھا ہے کیا سازِ تماشا کی نواؤں نے

مچی ہیں رنگ رلیاں جنگلوں میں سبزہ و گل کی منائی عیدِ باراں باغ کے رنگیں قباؤں نے

سریلے راگ سمجھے مطربانِ بزمِ فطرت کو اُڑائیں چھُوٹ کی تانیں چمن کے خوش نواؤں نے

فصلِ بہار

گلشن میں آمد آمدِ فصلِ بہار ہے ہر طیرِ نغمہ سنج سرِ شاخسار ہے

سرگرم ہیں جو ایسے ہی قدرت کے کارکن کل لالہ زار ہوگا جواب کوہسار ہے

محسوس کون باغ کی کرتا نہیں کشش ہے کون دل پہ آج جسے اختیار ہے

مخمل کا فرش باغ میں سبزہ بچھا چکا اب نوعروسِ گل کا فقط انتظار ہے

کچھ حظّ اٹھائے تو بھی کہ دو دن ہیں سیر کے
ناداں! بہار باغ کا کیا اعتبار ہے

منہ موتیوں سے گل کا بھرا ہے بہار نے
جو قطرہ اِسکا ہے وہ دُرِ شاہوار ہے

ہے موسمِ بہار جنوں خیز بیخودی
جو شے ہے بیقرار ہے بے اختیار ہے

برکھا رُت

جھوم جھوم آتی ہیں مستانہ گھٹائیں کیا کیا
رات دن چلتی ہیں جاں بخش ہوائیں کیا کیا!

آہ! کوئل کی یہ تانیں یہ پپیہے کا الاپ
شورش انگیزِ جنوں ہیں یہ صدائیں کیا کیا!

اُٹھتی ہیں سینکڑوں بے نام اُمنگیں سہمیں
آگ سی دل میں لگاتی ہیں ہوائیں کیا کیا!

برق کو دیکھ کے کیا دل پہ گھٹا سی چھائی
بجلیاں دل پہ گراتی ہیں گھٹائیں کیا کیا!

کج کلاہانِ گل و غنچہ کی سج دھج کیا خوب
جامہ زیبانِ چمن کی ہیں قبائیں کیا کیا!

جلیل قدوائی

ابرِ بہار

اُٹھ رہی ہے سمتِ مشرق سے گھٹا مستانہ وار
پھیلتا جاتا ہے تا حدِ نظر ابرِ بہار

چھپ رہا ہے پردہ ابرِ سیہ میں آسماں
چل رہی ہے کوہساروں میں ہوائے خوشگوار

وادیوں میں ہر طرف چھائی ہوئی ہے خامشی — کس قدر وجد آفریں ہے یہ سکوتِ کوہسار
جلوہ دِکھلاتی ہے اپنا زیرِ دامانِ سحاب — نوعروسِ برق یعنی دخترِ ابرِ بہار
ذرّہ ذرّہ میں نظر آنے لگی ہے تازگی — انبساطِ روح سے لہرا رہا ہے سبزہ زار
کالی کالی یہ گھٹائیں، منبعِ آبِ رواں — بھینی بھینی یہ فضائیں مایۂ صبر و قرار
طائرانِ خوشنوا پیغامِ آزادی لئے — ق — اُڑتے پھرتے ہیں ہوا پر ہر طرف مستانہ وار
بارشِ ابرِ کرم سے یہ فضائے کائنات — دیکھتے ہی دیکھتے ہو جائیگی جیب لالہ زار
شور سے اُس دم اُٹھا لینگے یہ سر پر آسماں — دم زدن میں ٹوٹ جائیگا سکوتِ کوہسار

بوئے اُلفت سے میرا سینہ بھی بس جائے کبھی
کاش دل کی بھی گھٹا یارب برس جائے کبھی

محروم
ہلالِ عید

دیکھو دیکھو وہ میں نے دیکھ لیا — قلّہ کوہ سے ذرا اونچا
چھپ گیا چھپ گیا کہیں دیکھو — پھر نظر آئے گا وہیں دیکھو
وہ جو ہے سامنے شجر دیکھو — اس سے اوپر اُٹھا نظر دیکھو

پنڈت تلوک چند محروم بی اے

اے لو اے لو وہیں نظر آیا
مژدہ! اے شائقین نظر آیا!

مرحبا! اے ہلالِ شامِ سعید
لے کے آیا ہے تو بشارتِ عید

مخبرِ صبحِ عیش و عشرتِ عید
تجھ سے وابستہ ہے سعادتِ عید

مژدۂ عید ایک شب پہلے
لائے گا، جانتے تھے سب پہلے

پر یہ تھی انتظار کی صورت
کہ نہ دیکھی قرار کی صورت

تھا تری جستجو میں پیکِ نظر
دشتِ بالا میں گرمِ قطعِ سفر

کہ یکایک کرم کیا تو نے
اپنا چہرہ دکھا دیا تو نے

تو کفیلِ نشاطِ عالم ہے
باعثِ انبساطِ عالم ہے

تو عجب شے ہے میکشوں کیلئے
کشتیِٔ مے ہے میکشوں کیلئے

دور سے یہ ترا اشارا ہے
اوجِ پر عیش کا ستارا ہے

واہ! اے شاہدِ کماں ابرو
کس ادا سے تنا ہوا ہے تو!

خود نمائی بھی ہے، ادا بھی ہے!
اس پہ پھر کاہشِ حیا بھی ہے۔

یہ ترا بانکپن! یہ رعنائی!
بزمِ بالا میں خلوت آرائی!

ہے سزاوار تجھ کو ناز و غرور
کھینچ بیشک تو اپنے آپ کو دور

سارا عالم ہے تیرا شیدائی
سب کو دیکھا ترا تماشائی!

تھی زمانے کو جستجو تیری
محفلوں میں تھی گفتگو تیری

چشمِ بد دور! کیا نزاکت ہے

تجھ پہ بارِ نظر بھی آفت ہے

یوں عیاں ہے شفق کے دامن میں — جیسے مہ رُو ہو کوئی گلشن میں
یا کوئی جیسے نقرئی کشتی — قلزمِ سُرخ پر ہو تیر رہی
اِک جہاں اُسکا ہو تماشائی — کرتی جائے وہ بحر پیمائی
رفتہ رفتہ نظر سے غائب ہو — تکتے رہ جائیں لوگ سب اُسکو

اے لو! سچ مچ وہ صوتِ زورق
ہو گیا گم میانِ بحرِ شفق!

برق

جوشِ بہار

گھرا ہوا سرِ فلک جو ابرِ قطرہ بار ہے — خزاں پہ اوس پڑ گئی چمن چمن بہار ہے
جمی تھی برگ برگ پر جو گرداب وہ دھل گئی
کلی کلی نکھر گئی گرہ دلوں کی کھل گئی

گرا رہا ہے بجلیاں چنار شعلہ خو کہیں — ضیا فگن ہے نیلوفر میانِ آب جو کہیں
ادا سے زیبِ شاخ ہی گل شگفتہ رو کہیں — بسی ہوئی ہے عطر میں صبائے مشک بو کہیں
بنا ہے تختۂ چمن مجسمہ بہار کا
شگفتگی کا دور ہے سماں ہے برگ و بار کا

کرشمۂ بہار ہے کہ نخلِ گُل بدن بنے — یہ زینتیں نمو کی ہیں کھڑے ہیں سب دُلھن بنے
یہ فیضِ برشگال ہے کہ خاک سے چمن بنے — یہ رحمتِ کریم ہے کہ غیرتِ عدن بنے

ضیا میں مثلِ برق ہے ادائے دلفریبِ گل
کہ جنّتِ نگاہ ہے جمالِ دیدہ زیبِ گل

شبِ ماہتاب

مہرِ جہاں فروز نے رخ پہ جولی نقابِ شام — بامِ سپہر پر ہوا جلوہ فگن مہِ تمام
دامنِ کوہ و دشت پر بچھ گیا فرش نور کا — چشمِ نظارہ باز میں جلوہ ہے برقِ طور کا

موج میں اضطراب ہے جوش پہ سیلِ آب ہے
تیرے جمال میں کشش اے مہِ جلوہ تاب ہے

ماہِ دو ہفتہ تو کوئی چشمۂ نور خیز ہے — تیری شعاعِ جلوہ زا موجِ سرور خیز ہے
تابشِ مہرِ نیمروز کتنی تھی اُف نظارہ سوز — تیری تجلّیاں مگر کیسی ہیں باصرہ فروز
تاروں کی جلوہ پاشیاں کیوں نہ ہوں تیرے آگے ماند — اختر ضو فروش وہ! اور تو چودھویں کا چاند
تیری نگاہ میں نہیں شاہ و گدا کا امتیاز — جلوہ نمائیاں تری سب کیلئے ہیں جاں نواز

ایک سا تیرا نور ہے دشت میں سبزہ زار میں
قصرِ گہر نگار میں۔ حجرۂ تنگ و تار میں

ستارۂ صُبح

ضیا فروز سرِ چرخ ہے ستارۂ صُبح — نشانِ محفلِ انجم ہے ماہ پارۂ صُبح
اسے نصیب کہاں فرصتِ نظارۂ صُبح — فسردہ ہونے کو چمکا ہے یہ شرارۂ صُبح

مِلی ہے ہستیِ بے بود نیست ہونے کو
کہ آنکھ کھولی ہے خوابِ عدم میں سونے کو

شبِ گذشتہ کے جلووں پر اشکبار ہے یہ — اُداس صورتِ شمعِ سرِ مزار ہے یہ
خزاں نصیب کوئی غنچہ بہار ہے یہ — نظر کو پیرہنِ نو زمیں بھی نار ہے یہ

چراغِ کشتہ ہے بامِ سپہرِ اخضر پر
یہ داغ ہے فلکِ نیلگوں کی چادر پر

نمودِ صبح سے گل ہو گئے چراغِ نجوم — نسیمِ سرد کا جھوکا تھا موجِ بادِ سموم
طلسمِ زینتِ لیلائے شب ہوا معدوم — عیاں شفق سے ہے نیرنگِ دہر کا مفہوم

اس انقلاب کی ہے یادگار اخترِ صُبح
برنگِ اشک ہے بے آب و تاب گوہرِ صُبح

تپِ الم سے ہے فق رنگِ روئے رنجیدہ — ہے ماند صورتِ یاقوتِ ناتراشیدہ
سحر کے جلوے ہیں مشرق میں نیم خوابیدہ — یہ ڈالتا ہے اُنہی پر نگاہِ دزدیدہ

پیامِ نور کے تڑکے سحر کا لایا ہے
نویدِ مقدمِ خورشید دینے آیا ہے

ڈیلیا[۱] کا پھول

اے گلِ رنگیں ادا۔ تصویرِ رعنائی ہے تو
دی ہے صنعت آفریں نے شانِ زیبائی تجھے
آنکھ کا تارا ہے چشمِ تماشائی ہے تو
حسنِ دلکش پر ہے زیبا نازِ یکتائی تجھے

حُسن کی تو ایک جیتی جاگتی تصویر ہے
چھینتی ہے دل مرا تیری ادائے دلفریب
شمعِ جان افروز تیرا روئے پُر تنویر ہے
برقِ عارض پھونکتی ہے خرمنِ صبر و شکیب

صبحدم کرتا ہے تو جلوہ فشانی کوہ پر
شعلہ روئی میں تجھے نسبت ہے شمعِ طور سے
پڑتی ہے جب روئے آتشناک پر تیری نظر
دامنِ نظارہ بھر جاتا ہے تیرے نور سے

شانِ رعنائی میں تو رکھتا نہیں اپنا جواب
رنگ تو بیشک ہے افسوس! بُو تجھ میں نہیں
یہ تو مانا پانی بھرتا ہے ترے آگے گلاب
حُسن صورت ہے مگر اسکی سی خو تجھ میں نہیں

پردۂ شب میں بکھرتا ہے ترا حُسنِ شباب
زینتیں ہوتی ہیں چشمِ شوق سے پنہاں تری
لب بلب ہوتی ہے جب تجھ سے شعاعِ آفتاب
نور کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں سب کلیاں تری

---

[۱] کوہستانی پھولوں میں بلحاظ خوبصورتی کے یہ چوٹی کا پھول ہے۔

چھاؤں ہیں تاروں کی آتی ہے نسیمِ خوشگوار
نور کے تڑکے جگانے تجھکو خواب ناز سے
وار کر۔ کرتی ہے تجھپر گوہرِ شبنم نثار
مسکرا کر دیکھ لیتا ہے جو تو انداز سے

تجھکو اک تو حسن کی صورت ملی ہے بیقیاس
جامہ زیبی اسپہ کرتی ہے دل آویزی فزوں
صاف کھلجاتا ہے ہر اک رنگ کا تجھپر لباس
سُرخ ۔ اودا ۔ زعفرانی ۔ ارغوانی نیلگوں

بھونرے ہوتے ہیں تصدق تجھپہ فرطِ شوق سے
ان سیہ مستوں کے حق میں چشمۂ شیریں ہے تو
چُوستے ہیں رس تیری کلیونکا کس کس ذوق سے
گویا اک معشوق کمسن کا لبِ لعلیں ہے تو

تجھکو زیبا ہے اگر کہئے عروسِ کوہسار
دیکھکر تجھکو پھڑک اٹھتے ہیں جذباتِ لطیف
تیرے ہر ہر رگ سے ہے حسنِ قدرت آشکار
روح پرور تیرا جلوہ ہے نباتاتِ لطیف

کیسے گل بوٹے کئے پیدا خس و خاشاک سے
صانعِ قدرت کی یاد آتی ہے قدرت دیکھکر
راز سربستہ ہیں باہر قوتِ ادراک سے
برق حیرت میں ہیں اک اک گل کی رنگت دیکھکر

جلوۂ قدرت

یہ جاں فروز نظارے یہ رنگ باغ جہاں
یہ صبح و شام کے جلوے یہ دلفریب سماں
یہ فرشِ خاک، یہ گلکاریاں، یہ صحنِ چمن
یہ شمعِ انجم تاباں، یہ سقفِ چرخِ کہن

یہ کشت زار، یہ سبزہ، یہ وادیِ گلپوش
سکونِ دشت، یہ صحرا کا منظرِ خاموش
فضائے دامنِ بستاں، یہ اوجِ کوہِ گراں
صفائے آئینۂ آب، جوشِ سیلِ رواں

یہ آفتاب لبِ بام و شام نورانی
یہ چرخ پر مہِ تاباں کی جلوہ افشانی
یہ شب کے پردہ میں گوہر فشانیِ شبنم
یہ نورِ صبح یہ تاروں کی محفلِ برہم

یہ سرد سرد ہوا موسمِ زمستاں کی
یہ عہدِ گل یہ فضا گلشن و بیاباں کی
نسیمِ صبح کے جھونکوں کی عطر افشانی
یہ طائرانِ نوازن کی زمزمہ خوانی

شبابِ فصلِ بہاری یہ جوشِ خندۂ گل
یہ جامِ غنچۂ نوخیز رشکِ ساغرِ مل
یہ جھلملاتے ہوئے اوجِ چرخ پر تارے
سوادِ شام، و بہارِ شفق کے نظارے

یہ قطرہ باریِ ابرِ کرم — یہ دلِ بادل
یہ کالی کالی گھٹائیں یہ برق کی مشعل
فرازِ کوہ سے گرنا یہ آبشاروں کا
اندھیری رات یہ پانی میں عکس تاروں کا

یہ سب کرشمے ہیں کسکے خدا کی قدرت کے
یہ سارے جلوے ہیں کسکے خدا کی قدرت کے

جلوۂ سحر

نکلا وہ آفتاب شبستانِ شرق سے — پھیلی ضیائے صبح درخشاں قریب و دور
ملبوس بادلوں کے ہیں کیا زرق برق سے — افلاک سے زمیں پہ برستا ہے ایک نور

تاروں کی اب کہاں ہیں وہ جلوہ نمائیاں — گُل ہیں چراغ مہرِ منور کے سامنے
چھٹتی ہیں ماہتاب کے رُخ پر ہوائیاں — کیا رنگ جم سکے شہِ خاور کے سامنے

زرتار ہو گئی ہیں پہاڑوں کی چوٹیاں — سیماب پیرہن ہے ہر اک موجِ آبشار
پانی میں کوندتی ہیں شعاعوں سے بجلیاں — خیمے حباب کے ہیں لبِ آب زر نگار

ہیں نغمہ زن طیورِ سحر خیز باغ میں — محوِ سپاسِ حق ہیں یہ طاعت گذارِ صُبح
شبنم کی ہے شراب گلوں کے ایاغ میں — کتنی سرور خیز ہے سیرِ بہارِ صُبح

کیا تازگی ہے خندۂ گل کی شمیم میں
اعجازِ جانفزائی ہے موجِ نسیم میں
فرحت فزائے قلب ہے۔ تازہ کنِ دماغ
وقتِ سحر بجھے ہوئے دل بھی ہیں باغ باغ

مصروفِ کاروبارِ جہاں ہے ہر اک بشر
منزل سے قافلے بھی ہیں گرم رہِ سفر
ہو کر شرابِ خوابِ شبانہ سے تازہ جاں
پرچم شعاعِ مہر کا ہے۔ کوچ کا نشاں

بیٹھا جہاں پہ سکۂ خورشیدِ خاوری
ظاہر ہیں ذرے ذرے سے آثارِ زندگی
زیرِ نگینِ مہر ہے اورنگِ کائنات
چاروں طرف ہے گرمیٔ ہنگامۂ حیات

شاکر میرٹھی

مناظر

یہ جوشِ لالۂ صحرا، یہ سبزۂ کہسار
یہ شاخ شاخ پہ اندازِ زمزمہ خوانی
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، یہ نسیمِ عنبر بار
یہ طائرانِ ترنم سرا، یہ فصلِ بہار

یہ چھاؤں تاروں کی کم کم، یہ نور کا تڑکا
نظر فریب یہ منظر شفق کا گردوں پر
گلوں پہ شبنم تر کے یہ گوہرِ شاہوار
ہوائے شاہدِ گل جس طرح سے ہو گلنار

فضائے عرش میں نغمہ طرازیٔ قدرت
سپیدۂ سحری کا یہ دلفریب سماں
ہوا کے پردوں میں بانگ سرودِ موسیقار
فضائے دشت کا عالم۔ ہرے ہرے اشجار

کلی کلی میں حجاب و سکوت کے انداز گلوں میں جلوۂ رعنائی عروسِ بہار
یہ دلفریبیٔ دریا کا دل رُبا منظر دمِ خرام یہ موجوں کی شوخیٔ رفتار

جنگل کی برسات

یہ نظر فریب منظر یہ فضائے بُرسگالی یہ نسیم روح پرور یہ گھٹائیں کالی کالی
لبِ جو برسنے والی

یہ بہار سبزہ و گل یہ ادائے سرو ریحاں یہ صدائے بانگ بلبل یہ طیور زمزمہ خواں
یہ ہرے بھرے خیاباں

کہیں بنیھ کے ہیں جھالے کہیں بادلوں کے ہیں دل کہیں بھر رہے ہیں نالے کہیں روپ پر ہیں جنگل
کہیں کوکتی ہے کوئل

کہیں قمریوں کی کوکو کہیں مور کی صدائیں کہیں بھر رہے ہیں آہو کہیں چیر رہی ہیں گائیں
کبھی اُٹھتی ہیں گھٹائیں

کہیں بگلوں کی قطاریں ہیں ہوا میں اونچی اونچی کہیں مینہہ کی بوچھاریں لبِ جو ہیں ٹھنڈی ٹھنڈی
کہیں بہ رہی ہے کشتی

جو اُبل پڑے ہیں چشمے تو چڑھی ہوئی ہیں ندیاں جو برس گئے ہیں جھالے تو ہرا بھرا ہے میداں
ہے زمیں کا سبز داماں

جو چٹک رہی ہیں کلیاں تو لہک رہا ہے سبزا جو ہوا ہے عنبر افشاں تو مہک رہا ہے صحرا
کہ یہ رت ہے روح افزا

مولانا شبیر حسن خان جوش ملیح آبادی

جوشؔ

آمدِ شباب

گیا لڑکپن، نئی جوانی نئی ادائیں سکھا رہی ہے
نگاہوں میں بھر رہی ہے جادو نظر کو بجلی بنا رہی ہے

شباب سے کمسنی بدل کر بڑھا رہی ہے لہو میں سُرخی
کلی لڑکپن کی مُسکرا کر جبیں پہ غنچے کھلا رہی ہے

نظر میں عشوے تڑپ رہے ہیں رگوں میں شعلے دہک اُٹھے ہیں
چراغِ طفلی کی لَو ہوائے شباب سے جھلملا رہی ہے

سحر کی تابندگی میں گویا پڑی ہے پہلی کرن کلی پر
سیاہ آنکھوں کی سادگی میں خفیف سُرخی سی آ رہی ہے

نگاہ میں تیر افگنی کا ارمان فسوں کو بیدار کر رہا ہے
دلوں کی تسخیر کی تمنا، نظر میں جادو جگا رہی ہے

کشاکشِ ناز ابروؤں کو بنا رہی ہے سمٹ کے مِلنا
ادائے مستانہ لڑکھڑا کر قدم اُٹھانا سکھا رہی ہے

ہر اک قدم پر لچک لچک کر کمر کو جھٹکے پہنچ رہے ہیں
سنک سنک کر نسیمِ گلشن گھنیری زلفیں ہلا رہی ہے

نظر فریب انکھڑیوں کے اندر بشاشتیں جگمگا رہی ہیں
گلاب سے عارضوں کی تہ میں شگفتگی مسکرا رہی ہے

دراز پلکیں جھپک جھپک کر زباں کے سانچے میں ڈھل رہی ہیں
نظر کو جذبات کی لطافت کلام کرنا سکھا رہی ہے

نگاہ میں وہ گلابی پن ہے، کھلا ہے جیسے شراب خانہ
نظر میں ہے وہ خمار گویا ذرا ذرا نیند آ رہی ہے

جھلکتی چاندی پہ کمسنی کی چڑھا رہا ہے شباب سونا
سفید ہلکی سی چاندنی کو سحر گلابی بنا رہی ہے

شفق

یہ شفق کی سرخیاں ہیں یا کوئی گلزار ہے
فرش سے تا عرش جو ذرہ ہے وہ سرشار ہے

رنگ کی شہزادیوں کا چرخ پر دربار ہے

یہ شفق ہے یا جبینِ حسنِ پر رنگِ شباب
خوابگاہِ خسرو خاور کا ہلکا سا حجاب
کون شاعر کے سوا اِس بزم میں ہے باریاب؟

یہ سنہری دھاریاں ہیرے کے یہ نقش و نگار
یہ زمرد کے بیاباں یہ طلائی برگ و بار
آئینہ ہے انتہائے صنعتِ پروردگار

یہ وہ جلوے ہیں کہ دل کے زخم دیتے ہیں لہو
قلب میں بیدار ہوتی ہے کسی کی جستجو
دفعتاً سینے میں جل اُٹھتی ہے شمعِ آرزو

ان مناظر میں اُبلتی ہے ندی جذبات کی
تیز ہو جاتی ہے دل میں آنچ محسوسات کی
خون کے آنسو رلاتی ہے شفق برسات کی

اک ادائے خواب میں ملفوف ہے سارا جہاں
ملتا جاتا ہے شفق کے رنگ میں کچھ کچھ دھواں
تیرگی میں سر بہ سجدہ ہے غرورِ آسماں

یاد آتی ہے کسی کی کجکلاہی کیا کروں
چھائی جاتی ہے ہر اک شے پر سیاہی کیا کروں
یہ مناظر کھائے جاتے ہیں الٰہی کیا کروں؟

جنگل کی شاہزادی

پیوست ہے جو دل میں وہ تیر کھینچتا ہوں
اک ریل کے سفر کی تصویر کھینچتا ہوں

کچھ تازہ شعر پڑھتا مسرور جا رہا تھا
اجمیر کی طرف سے جے پور جا رہا تھا

طوفان جھینگروں کا، چڑیوں کا تھا بسیرا
گنجان جھاڑیوں کے سایہ میں تھا اندھیرا

اس وقت جنگلوں میں یوں ریل جا رہی تھی — لیلےٰ ستار اپنا گویا بجا رہی تھی

کچھ دور پر تھا پانی، موجیں رکی ہوئی تھیں — تالاب کے کنارے شاخیں جھکی ہوئی تھیں

خورشید چھپ رہا تھا رنگیں پہاڑیوں میں — طاؤس پر سمیٹے بیٹھے تھے جھاڑیوں میں

مستی شراب کی سی آنکھوں میں چھا رہی تھی — ہر سانس اک چھلکتا ساغر پلا رہی تھی

لہروں میں کوئی جیسے دل کو ڈبو رہا تھا — "میں سو رہا ہوں" ایسا محسوس ہو رہا تھا

موسیقیت سے دل کو مسحور کر رہے تھے — ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مخمور کر رہے تھے

تھیں آخری کرن سے سب وادیاں سنہری — ناگاہ چلتے چلتے جنگل میں ریل ٹھیری

(۲)

کانوں پہ خوبصورت اک بانسری پڑی ہے — دیکھا کہ ایک لڑکی میدان میں کھڑی ہے

کافر ادا ستمگر، ساحر، دراز مژگاں — سیمیں بدن، پری رخ گلرنگ حشر ساماں

خوش چشم خوبصورت خوش رنگ ماہ پیکر — نازک بدن شکر لب شیریں ادا فسونگر

غارت گرِ تحمل خونریز و دشمنِ جاں — پروردۂ مناظر دوشیزۂ بیاباں

پرتو ہے تجلیوں کا آئینہ گلی میں — یا جان پڑ گئی ہے جنگل کی تازگی میں

صورت میں عارضوں کی یا گل بدل گئے ہیں — ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اعضا میں ڈھل گئے ہیں

حوریں ہزار دل سے قربان ہو گئی ہیں — رنگینیاں سمٹ کر "انساں" ہو گئی ہیں

ہر چیز پر نگاہیں حیرت سے ڈالتی ہے — جھونکے جو چھیڑتے ہیں چادر سنبھالتی ہے

لفظ "غرور" دل پر مرقوم ہی نہیں ہے — "میں کون ہوں" یہ اس کو معلوم ہی نہیں ہے

خونریزیوں سے اپنی واقف مگر نہیں ہے — کس پر چھری چلا دی مطلق خبر نہیں ہے

ناآشنائے راہ و رسمِ فسونگری ہے — در پردہ اس کی فطرت سرگرم دلبری ہے

(۳)

کچھ دیر تک تو میں نے اس کو بغور دیکھا / گم تھے حواسِ خمسہ ہر مو تھا چشمِ بینا
گاڑی سے پھر اُتر کر اس کے قریب آیا / جذباتِ دل کی رو میں پھر یہ زباں سے نکلا
اے تو کہ تیری نازک ہستی میں کام آئی / فطرت کی انتہائی تخییلِ دلربائی
اے درسِ آدمیت اے شاعری کی جنت / اے صانعِ ازل کی نازک ترین صنعت
جلووں سے تیرے روشن صحرا و دشت و وادی / عفت کی پاک دیوی "جنگل کی شاہزادی"
گیسو پہ تیرے صدقے زلفیں سیہ گھٹا کی / گاتی ہیں گیت تیرے رنگینیاں فضا کی
بستی میں تو جو آئے اک حشر سا بپا ہو / آبادیوں میں ہلچل شہروں میں غلغلا ہو
میکش جو تجھ کو دیکھے تھرا کے جام چھوٹے / تسبیحِ شیخ اُلجھے زاہد کا زہد ٹوٹے
افلاک سے فرشتے لیکر خراج اُتریں / زہاد کے عمامے شاہوں کے تاج اُتریں
آنسو ہوں خوں بداماں نالے شرر فشاں ہوں / کیا کیا نہ شاعروں کے ملبوس دھجیاں ہوں
چہروں کو اہلِ دل کے بے آب رنگ کر دے / دنیا کو حسن تیرا میدانِ جنگ کر دے
تیرے پجاریوں میں میرا بھی نام ہوتا / اے کاش جنگلوں میں میرا قیام ہوتا
شام و سحر کے جلوے مجھ سے قریب ہوتے / یہ چاند اور ستارے میرے قریب ہوتے
کیوں میری گفتگو سے حیرت کا جوش کیوں ہے؟ / اے زمزموں کے چشمے اتنا خموش کیوں ہے
بجنے لگیں دف کی محفل میں شادیانے / کچھ بول بھی زباں سے اے سرمدی ترانے
یوں چپ ہے جیسے کوئی اب کام ہی نہیں ہے / یہ وہ ادا ہے جس کا کچھ نام ہی نہیں ہے

(۴)

یہ سُن کے وہ پری وش اس طرح مُسکرائی / سینہ میں روح میری گھبرا کے تھرتھرائی

دل کو شکست دینے سامانِ جنگ آیا — چہرہ پہ خون دوڑا آنکھوں میں رنگ آیا
شرما کے آنکھ اُٹھائی زلفوں پہ ہاتھ پھیرا — اتنے میں رفتہ رفتہ بڑھنے لگا اندھیرا
کچھ جسم کو سمیٹا کچھ سانس کو سنبھالا — کاندھے پہ سرخ آنچل انگڑائی لیکے ڈالا
ہر شے سے پھوٹ نکلے جذباتِ عاشقانہ — اور ہو گئی وہ کافر منہ پھیر کر روانہ

(۵)

آنکھوں سے اشک ٹپکے سینہ سے آہ نکلی — گردوں پہ رات لیکر فانوس ماہ نکلی
آواز ہر طرف سے آئی کراہنے کی — اے جوشؔ، یہ سزا ہے اچھوں کو چاہنے کی
کیا جانے دل نے کبتک غفلت کا راگ گایا — المختصر غشی سے جب مجھ کو ہوش آیا

مڑ کر جو میں نے دیکھا امید مر چکی تھی
پٹری چمک رہی تھی، گاڑی گذر چکی تھی

گرمی

پھر زمانہ جون کا آیا درِ دوزخ کھلا — آگ برسی غیض سے پھر تمتما اُٹھی فضا
خون کھولا ہر بن مو سے پسینہ پھر چلا — پھر بخاراتِ زمیں کھڑے تلاطم آ گیا

خیر ہو یارب کہ پھر برہم مزاجِ نار ہے
جو کرن ہے خون میں ڈوبی ہوئی تلوار ہے

دہکے انگارے سے آنکھوں میں رگوں میں گرم خون — چل گیا پھر اک زمانہ پر تمازت کا فسوں
شیرنی کی طرح چنگھاڑتی پھرتی ہے لُو ن — آگ برسانے لگا گرمی کی دیوی کا جنوں

دھوپ نے کھولا کے موجوں کو جہنم کر دیا
آتشِ سیّال سے دریا کا سینہ بھر دیا

پھر زمیں سے آنچ سی اُٹھنے لگی بھڑکے تنور
لُو کے جھونکے دوپہر تک بن گئے طوفانِ صبوٗ

پھر گھنے پیڑوں کے پتوں میں چھپے جا کر طیور
انتہا پر آگیا پھر تیز سُورج کا غرور

کوہ کی چوٹی پہ جتنا برف تھا سب گھُل گیا
بادشاہِ شرق کا پھر سُرخ پرچم کھُل گیا

فصلِ گل کا سرخ پتوں سے کفن سِلنے لگا
جل گئے سینے کے ٹانکے زخمِ دل کھلنے لگا

پھر زمیں کو زلزلہ آیا فلک ہلنے لگا
مہرِ عالمتاب پھر جھک کر گلے ملنے لگا

لڑکیاں جھولوں سے پھر کورے گھڑے سجنے لگیں
پھر ہوا سے روزنوں میں سیٹیاں بجنے لگیں

خشک کلیاں ہو گئیں مرجھا گئے سب برگ و بار
پھر چڑھا ہے دُھوپ کی تیزی سے دُنیا کو بخار

چرخ پر چھایا ہوا ہے صبح سے گرد و غبار
کتنا آتش ریز ہے اے جون تیرا ابرِ نار

ابرِ مصنوعی نے گم کی آب و تابِ آسماں
یہ غبارِ زرد ہے گویا سرابِ آسماں

حلق میں کانٹے پڑے ہونے لگا پھر رنگ زرد
لب پہ خشکی طبع میں آشفتگی آنکھوں میں گرد

کنپٹی کی رگ چلی پیہم اُٹھا پھر سر میں درد
حد سے گرمی بڑھ گئی پھر ہو گئے جذبات سرد

کس سے وحشت کیجئے کس کی تمنا کیجئے
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ اب کیا کیجئے

اُس جگہ بالو ہے بہتے تھے کبھی دریا جہاں
اوڑھ کر ذروں کی چادر سو گئی ہیں ندیاں

دوپہر کا اژدہا ہے غیض میں کف در دہاں — یہ زمیں جھلسی ہوئی تپتا ہُوا یہ آسماں

پیتیوں کے سائے میں بھنورے یہ تھراتے ہوئے
یہ بگولے خشک میدانوں میں بل کھاتے ہوئے

ایک ہنگامہ سا برپا ہے زمیں سے تا فلک — رنگ سبزے سے اڑا ہے سینۂ گل سے مہک
سرخ ذروں کی حرارت گرم سورج کی لپک — چار پائے جھیل میں ڈوبے ہوئے گردن تلک

خوابگاہیں نوجوانی کی بھی اب بھاتی نہیں
کنج میں ہے اور چڑھا ہے کو نیند آتی نہیں

فصلِ بہار

پھر طبیعت جوش کی ہے جوش پر آئی ہوئی — پھر گھنے باغوں پہ ہے کالی گھٹا چھائی ہوئی
مست بھنورا گونجتا پھرتا ہے ہر سو باغ میں — رُوح پھرتی ہے کسی وحشی کی گھبرائی ہوئی
فصل کی رگ رگ میں گردش کر رہا ہے خون گرم — کوکتی ہیں کوئلیں فرقت کی گھبرائی ہوئی
پی کہاں کے دلنشیں نغموں سے جنگل مست ہیں — عشق کے عالم پہ ہے اک بیخودی چھائی ہوئی
مہوشوں کی کاکلیں شاخوں کے جھولے دیکھئے — آم کے باغوں پہ ہے کیسی بہار آئی ہوئی
پھر ہوا نے سوز بخشا پھر کسی کی یاد میں — اشک چھلکے نور سے لبریز بینائی ہوئی
پوست خوشبو دے رہا ہے آم میں رس آگیا — سبز گلشن ہو گئے دنیا تماشائی ہوئی
غنچہ غنچہ اپنے فطری حسن میں ڈوبا ہوا — پتی پتی اپنے اصلی رنگ پہ آئی ہوئی
پھر ہوا نے ساز چھیڑا روح سے نغمے اٹھے — پھر گھٹا سے کیف ٹپکا بادہ پیمائی ہوئی

آ گئیں بازار میں نوخیز جامن والیاں
جن پہ سر سے پاؤں تک دوشیزگی چھائی ہوئی

پنڈلیاں بھیگی ہوئی ہیں دم سماتا ہی نہیں
آ رہی ہیں دور کی کھیتی سے گھبرائی ہوئی

گفتگو میں گاؤں کے سادہ تمدن کی لچک
عارضوں پر کمسنی کی سرخیاں چھائی ہوئی

دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہیں سروں کے ٹوکرے
ہاتھ انگڑائی کی صورت آنکھ شرمائی ہوئی

کالے کالے گیسوؤں پر جامنوں کا رنگ ہے
اودے اودے جامنوں پر ہے گھٹا چھائی ہوئی

اور وہ بل کھانا کمر کا جامنوں کے وزن سے
وہ لچکنی گردنیں وہ چال اٹھلائی ہوئی

پتلے پتلے وہ سبک چھلے وہ نازک انگلیاں
وہ سیہ زلفیں بھرے شانوں پہ بل کھائی ہوئی

وہ جھجک اٹھنا جوانوں کی نظر سے بار بار
وہ نگاہیں شہر کی گلیوں میں گھبرائی ہوئی

آہ یہ کافر مناظر ہوش میں رکھتے نہیں
اکثر اپنی جوش ان فصلوں میں رسوائی ہوئی

طوفانِ بے ثباتی

چاندنی تھی صبح کا ہنگام تھا
میں یکایک اپنے بستر سے اٹھا

ڈوبتے تاروں کو دیکھا غور سے
آنکھ میں اشکوں سے طوفاں آ گیا

ذرہ ذرہ میں زمیں سے تا فلک
موج زن تھا اک سمندر حسن کا

وہ گلابی روشنی ہلکا وہ نور
وہ تڑپ دریا کی وہ ٹھنڈی ہوا

وہ نسیم صبح کی اٹھکھیلیاں
وہ ترنم خیز جھونکے وہ ہوا

آنکھ اٹھائی روح بالیدہ ہوئی
سانس لی اور خون تازہ ہو گیا

دل ہلا روحانیت کے جوش سے
سجدۂ معبود میں سر جھک گیا

زمزمۂ سحر

غنچوں کے دل ہوئے ہیں چاک رازِ طلسم حق ہے فاش
قلب و جگر میں ارتعاش
آنکھوں میں سوزشِ تلاش
ناخنِ حسن کی خراش
سینۂ عشق پاش پاش
ذوقِ نگاہ زندہ باش
غنچوں کے دل ہوئے ہیں چاک رازِ طلسم حق ہے فاش

اُٹھ کہ طلوعِ صبح سے روئے اُفق ہے زرنگار
رقص ہوائے مشکبار
نغمہ سازِ آبشار
نزہتِ کنج و لالہ زار
چشمِ بتانِ سحرکار
آنکھوں میں نیند کا خمار

اُٹھ! کہ طلوعِ صبح سے روئے اُفق ہے زرنگار

دیکھ کھلی ہے چاندنی، پھوٹی نہیں ابھی کرن
جوئے حیات موجزن
سرو ہوا چمن چمن
تازہ عروس گلبدن
ماہِ دو ہفتہ سیمتن
پہنے ہے شب کا پیرہن
دیکھ کھلی ہے چاندنی، پھوٹی نہیں ابھی کرن

لائی وہ مژدۂ حیات بادِ سحر کی نرم رو
ایک روشِ طیور سو
کثرتِ نور و جوشِ ضَو
گاتی ہے جھلملا کے لَو
نقش و نگار نَو بہ نَو

لائی وہ مژدۂ حیات بادِ سحر کی نرم رو

بہار کا نغمۂ خونیں

آگئی فصلِ بہار   مژدہ دلِ بے قرار

دشت ہے پھر لالہ زار

مست ہے پھر آبشار

پھر کوئی مستِ خمار

چھیڑ کے چنگ و ستار

جھومتی ہے بار بار

آگئی فصلِ بہار   مژدہ دل بے قرار

حسن ہے پھر بے نقاب   آئیں کدھر ہیں کلیم

مژدہ اے طبع سلیم

وا ہے بہشتِ نعیم

تازہ گلوں کی شمیم

لائی ہے موجِ نسیم

رقص کر اُٹھ اے ندیم

حسُن ہے پھر بے نقاب   آئیں کدھر ہیں کلیم

اوس میں ڈوبی ہوئی چلتی ہے بادِ سحر
زہرہ جبیں سیم بر
غرق ادا سر بسر
زلف رسا تا کمر

. . . .

وجد میں ہیں بام و در
اوس میں ڈوبی ہوئی چلتی ہے بادِ سحر

مناظرِ سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے — کشمیر دلِ زار ہے فردوس نظر ہے
ہر پھول کا چہرۂ عرقِ حسن سے تر ہے — ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے
ہر سمت بھڑکتا ہے رخِ حور کا شعلہ
ہر ذرّہ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ
لرزش وہ ستاروں کی وہ ذرّوں کا تبسم — چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جس پہ ترنّم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم — طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم
اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیمِ سحری کے

شانوں پہ پریشان ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا
وہ چاندنی مدھم وہ سمندر کا جھلکنا
وہ چھاؤں میں تاروں کی گُل تر کا مہکنا
وہ جھومنا سبزے کا وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیمِ سحری عیدِ سحر ہے

خنکی وہ بیاباں کی وہ رنگینیٔ صحرا
وہ وادیٔ سرسبز وہ تالاب مصفّا
پیشانیٔ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا
وہ راستے جنگل کے وہ بہتا ہوا دریا

ہر سمت گلستاں میں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ برگِ گُل تازہ وہ شبنم کی لطافت
اِک حُسن سے وہ خندۂ سامانِ حقیقت
وہ جلوۂ اصنام وہ بت خانے کی زینت
زاہد کا وہ منظر وہ برہمن کی صباحت

ناقوس کے سینے سے صدائیں وہ فغاں کی
وہ حمد میں ڈوبی ہوئی آواز اذاں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام
دل ہوتے ہیں سرشار فنا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت تو برس پڑتے ہیں انعام
اس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام

رونے میں جو لذّت ہے تو آہوں میں مزا ہے
اے روح خودی چھوڑ کہ نزدیک خدا ہے
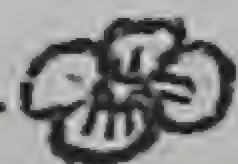
گرمی

موجِ ہوا کے اندر شعلہ بھڑک رہا ہے / گرمی کی دوپہر ہے سورج دہک رہا ہے

تپتی ہوئی زمیں سے لپٹیں نکل رہی ہیں / پتھر سلگ رہے ہیں کانیں پگھل رہی ہیں

ہر قلب پھنک رہا ہے تہ خانہ چاہتا ہے / پردے میں لو کے گویا عالم کراہتا ہے

لو دے رہے ہیں کانٹے اور پھول کانپتے ہیں / طائر سکوت میں ہیں چوپائے ہانپتے ہیں

رات

خاموش رات اپنا سکّہ جما چکی ہے / زلفِ سیہ کمر تک لہرا کے آ چکی ہے

پیشانیٔ فلک پر تارے جھلک رہے ہیں / نکیوں پہ مہ وشوں کے عارض چمک رہے ہیں

خاموش ہیں ہوائیں ذرّے جمے ہوئے ہیں / شاخیں جھکی ہوئی ہیں پتّے تھمے ہوئے ہیں

پھولوں کے عارضوں پہ باغوں میں اک نمی ہے / شبنم کے موتیوں کی سبزہ پہ شبنمی ہے

خاموشیوں میں سن سن آواز آ رہی ہے / لیلائے شب پھریرا شاید اُڑا رہی ہے

وہ غل نہ اب جہاں میں وہ شور و شر رہا ہے / گویا تمام عالم کچھ غور کر رہا ہے

نظیر

ہلالِ عید

اے ہلالِ عید اے دیوانۂ گردوں نورد
ہیں ستارے تیرے صحرائے جنوں افزا کی گرد

آہ کس کی جستجو میں شعلہ در داماں ہے تو
شام کی ظلمت میں جگنو کی طرح پرّاں ہے تو

تیرے آئینے میں تصویرِ نگارِ عید ہے
تیری آمد آمدِ صبحِ بہارِ عید ہے

چند لمحے کے لئے اس بزم میں آیا ہے تو
عید کا پیغام میرے واسطے لایا ہے تو

تیرے دل میں عشق کتنا اپنے متوالوں کا ہے
گھر فلک پر ہے ترا مہماں زمیں والوں کا ہے

جامِ دل معمور ہے تیرا مئے تحقیق سے
بے خبر ہے تو بلند و پست کی تفریق سے

مستتر آغاز میں تیرے ترا انجام ہے
ہر نفس تجھ کو کمالِ حسن کا پیغام ہے

نرم رو قاصد ہے پیکِ آسماں پیما ہے تو
محفلِ ہستی میں سر تا پا لبِ گویا ہے تو

ہاں زبانِ حال سے تو عید کا پیغام دے
ہر دلِ شورید کو تسکین دے آرام دے

[1] گہوارہ

جلوۂ شب

صحرائے ہست و بود میں ظلمت کا جوش ہے
ہر جاندار دشت میں وارفتہ ہوش ہے
صحن چمن میں مرغ خوش الحاں خموش ہے
تاروں کی آنکھ چرخ پہ حیرت فروش ہے
دنیا کے خشک و تر پہ حکومت ہے رات کی
ہر چیز بے خبر ہے جہانِ حیات کی

بامِ فلک ہے انجمِ تاباں سے زر نگار
یا پر ہے جگنوؤں سے یہ پہنائے روزگار
یا عرش سے جبینِ ملائک ہے اشکبار
یا باصرہ فروز ہے جنت کا لالہ زار
ظلمت میں یا خضر نے جلائے چراغ ہیں
لبریز یا شرابِ طرب سے ایاغ ہیں

دامانِ کوہسار ہے تصویرِ لامکاں
ہیں محوِ خواب ساحلِ یم پر جہاز راں
غافل پڑے ہوئے ہیں بیاباں میں کارواں
آتی ہے گاہ گاہ یہ آوازِ پاسباں
گنج گراں بہا ہے خبردار غافلو
رہزن کی دستبرد سے ہشیار غافلو

اے رات تیرے فیض سے عالم ہے بہرہ ور
شاکر ہے تیرے پردۂ ظلمت کا ہر بشر
ظاہر ہے تیری آنکھ پہ احوال سر بسر
عابد سے بے خبر ہے نہ میکش سے بے خبر
تو دیکھتی ہے اور لبِ اظہار بند ہے
رندِ سیاہ رو ترا احسان مند ہے

عشاق کی نگاہ میں آرام جاں ہے تو
صحرا نشیں کے واسطے باغ جناں ہے تو

شمشیر زن کے حق میں حصارِ اماں ہے تو　　ناموس عافیت کیلئے پاسباں ہے تو

رہزن پہ جو نظر ہے وہی کاروان پہ ہے
یکساں تری نگاہِ کرم سب جہاں پہ ہے

نمودِ سحر

کھولا جو روزگار نے بندِ نقابِ صبح　　پیدا ہوئی دریچۂ مشرق سے تابِ صبح
مینائے لاجورد میں چھلکی شرابِ صبح　　پیرِ فلک نے پائی بہارِ شبابِ صبح
ظلمت کا تخت پردۂ روشن میں چھپ گیا
ابرِ سیاہ برق کے دامن میں چھپ گیا

ٹھہری نہ فوج شب شہِ مشرق کے سامنے　　چھوڑا فرازِ چرخ کو ماہِ تمام نے
مَے کی کتاب منشئ گردوں مقام نے　　گل کر دیئے چراغ سحر کے پیام نے
ہر شعلہ تن فضائے فلک سے رواں ہُوا
اور خشک و تر میں نور کا جلوہ عیاں ہُوا

در کھل گیا زمین پہ دارالسلام کا　　ظاہر ہُوا جمال حیاتِ دوام کا
آیا جہاں میں دور حقیقت کے جام کا　　دوشِ شفق پہ خم ہے مے لالہ فام کا
عالم فروز برق سرِ طور ہو گئی
اور آنکھ انجم صبح کی بے نور ہو گئی

بہنے لگی شرابِ شفق فام ہر طرف　　پہنچا چمن میں صبح کا پیغام ہر طرف

باندھا گلوں نے حُسن کا احرام ہر طرف
فطرت نے درسِ عشق کیا عام ہر طرف

ہر طائرِ ریاض و جبل حمد خواں ہُوا
خونِ حیات مُردہ رگوں میں رواں ہُوا

مرغانِ خوش نوا نے گلستاں کا رُخ کیا
دلدادۂ جنوں نے بیاباں کا رُخ کیا

اطفالِ سست رو نے دبستاں کا رخ کیا
مرد نبرد پیشہ نے میداں کا رخ کیا

خورشید آسماں پہ نمودار ہو گیا
ہر ذرّہ خاک دہر کا بیدار ہو گیا

گلشن میں نغمہ ریز وہ مرغانِ خوش کلام
وہ مست ذکر حق سے نہالان سبز فام

وہ نور وہ سرور وہ بادِ خجستہ گام
وہ سروِ سربلند وہ نہر سبک خرام

سرگرم جست و خیز وہ آہو قطار میں
وہ سُرخ سُرخ پھول عیاں سبزہ زار میں

موجِ نسیم صحنِ گلستاں میں عطر ساز
اور درجِ گل میں گوہرِ شبنم نظر نواز

طاؤس محوِ رقص عنادل نوا طراز
وقفِ نیاز جن و ملک کا سرِ نیاز

ہر جاندار مست وہ خالق کی یاد میں
ہر ذرّہ محو عالم کون و فساد میں

مسجد میں عابدوں کے وہ لب پر خدا کا نام
مندر میں برہمن کی زباں پر وہ رام رام

گنگ و جمن پہ لالہ رخوں کا وہ اژدہام
پربت کی وادیوں میں وہ جنت کا اہتمام

عکسِ شفق سے پھول وہ چشموں کے طشت میں
وہ چہل پہل قافلہ والوں کی دشت میں

شاعر

اے ہزار خوش نوا اے شاعرِ شیریں بیاں
تیرے دلکش زمزموں میں گم ہیں اصواتِ جہاں

تیرے دم سے گلستانوں کی ہوائیں مست ہیں
تیرے نغموں سے بیاباں کی فضائیں مست ہیں

سنگ کو الماس و مروارید کر دکھلائے تو
ذرّۂ ناچیز کو خورشید کر دکھلائے تو

سرو سے سرکش کرا دے سبزۂ پامال کو
باز و شاہیں سے لڑا دے قمریٔ بے بال کو

کوہ پائینہ کا استحکام دل میں ڈالدے
روح صد افلاک تو اک مشت گِل میں ڈالدے

تیر الب گر ترجماں ہو عاشقِ ناشاد کا
دل تڑپ جائے حسینانِ ستم ایجاد کا

نالہ کش ہو تو اگر فرہاد کے انداز میں
زلزلہ سا ڈالدے شیریں کے قصرِ ناز میں

گر زبانِ قیس میں تو شکوۂ ہجراں کرے
پردۂ ناموس کو لیلیٰ ابھی قرباں کرے

چھیڑ دے گر داستانِ لذّتِ صہبائے ناب
ڈالدے تو زاہدِ صد سالہ میں روحِ شباب

تجھ سے سن لیں قصّۂ عفو و کرم اکبار اگر
قدسیوں کو رشک ہو ندانِ ظلمت کار پر

گر دکھا دے تو شہنشاہوں کی عظمت کا مآل
تاجِ زرّیں پائے استحکار سے ہوں پائمال

شائق

شاعر اور دریائے گنگا

آہ اے دریائے گنگا۔ آہ۔ اے سیلِ رواں
تیری موجوں میں ہے پنہاں رازِ نیرنگِ جہاں

تیری موجوں کا تموج کیسا عبرت خیز ہے
یعنی رفعت تیری لہروں کی زوال آمیز ہے
تیرے پہلو میں قیامت کی تڑپ چھپا بیٹھا ہے
اک جہاں کا درد تیرے قلب میں پوشیدہ ہے
اضطراب آموز ہیں پیہم تیری طغیانیاں
یعنی لاکھوں بجلیاں ہیں تیرے پانی میں نہاں
آہ - یہ کیا غم ہے جو تجھ سے الگ ہوتا نہیں
جاگتا رہتا ہے پیہم تو کبھی سوتا نہیں
سچ بتا کس کی طلب آوارہ رکھتی ہے تجھے
مست کیفِ بادۂ نظارہ رکھتی ہے تجھے
جلوۂ سیماب پیدا ہے تری رفتار سے
شورِ غم اٹھتا ہے تیرے ساز کی جھنکار سے
کس غمِ جانکاہ سے تیرا جگر پانی ہوا
کون ڈوبا ہے کہ تو وقفِ پشیمانی ہوا

عین تیرے زعمِ آزادی کو باطل کر دیا
تیری موجوں نے تجھے بند سلاسل کر دیا

اختر شیرانی

جوگن

دیکھو وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے
موسیقیِ حزیں کے دریا بہا رہی ہے
غمگیں نوائیوں سے بے خود بنا رہی ہے
دنیا کے ہر اثر کو دل سے مٹا رہی ہے
سوئی ہوئی فضا کا شانہ ہلا رہی ہے
ہر جنبشِ زباں سے مُردے جلا رہی ہے
بیدار کر رہی ہے مدہوش گھاٹیوں کو
خوابیدہ ساحلوں کی نیندیں اڑا رہی ہے
ہر لرزشِ صبا میں طوفان امڈ رہے ہیں
پنچم میں کیا رسیلی تانیں اڑا رہی ہے
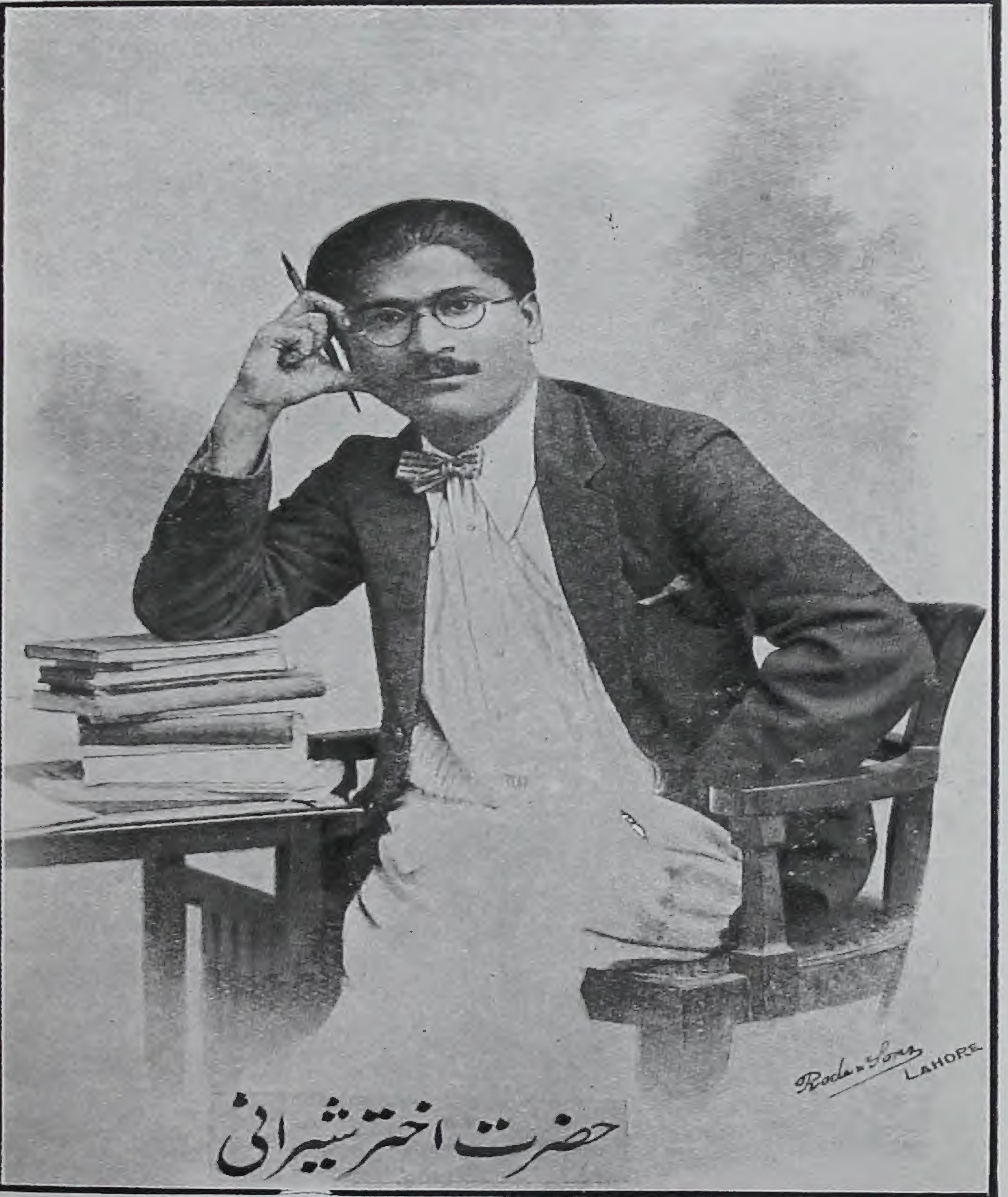
Roda & Sons
LAHORE

حضرت اختر شیرانی

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

اٹھکیلیوں کا سن ہے ہنس بولنے کے دن ہیں
لیکن نہ جانے وہ کیوں آنسو بہا رہی ہے

آئینہ رنگ سینہ کچھ کھل رہا ہے جس میں
دوشیزگی کی گنگا طوفاں اُٹھا رہی ہے

اک گیروانہ ساری میں ہے بدن چھپائے
یا ہلکی ہلکی بدلی سورج چھپا رہی ہے

اک بحرِ یاسمیں پر لہرا رہی ہے ناگن
یا اسکی زلفِ مشکیں سینہ پہ آ رہی ہے

ہے اِک ستار اسکے آغوش نازنیں میں
وہ نازک انگلیوں سے جسکو بجا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

سبزہ پہ چاندنی کے بادل برس رہے ہیں!
یا کوئی حورِ جنت آنسو بہا رہی ہے

ہے موجزن فضا میں اک آبشار سیمیں!
یا ملکۂ پرستاں موتی لُٹا رہی ہے

اک گرد مرمریں ہے چھائی ہوئی افق پر
جسکو ہوائے صحرا کوسوں اُڑا رہی ہے

اک موجِ گوہریں سی ہر پھول پر ہے رقصاں
نغمہ کی بوئے رنگیں جس میں سما رہی ہے

یا ان کے مقبرہ پر دوشیزہ شب آ کر
گلہائے نور کی اِک چادر چڑھا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

فرشِ زمردیں پر کچھ پھول سو رہے ہیں
نغمہ کے پر کی جنبش جِن کو جگا رہی ہے

جنگل مہک رہا ہے کلیاں چٹک رہی ہیں
ہر تان میں الٰہی کیا گُل کھلا رہی ہے

وادی میں موجزن ہے نغموں کی کیف پری
ہر پھول ہر کلی پر مستی سی چھا رہی ہے

اِک نہر بہ رہی ہے تھوڑے سے فاصلہ پر
گاتی ہوئی جو اپنی منزل کو جا رہی ہے

یا ملکۂ سمندر موجوں کے زمزموں میں
تاروں کے دیوتا کو نغمے سُنا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

یہ موہنی بنی ہے کِسکی لگن میں جوگن؟
یہ سیلِ درد کِسکے غم میں بہا رہی ہے

ہاں شاید اِسکی ننھی معصوم آتما میں!
ہر کی پریم اگنی لَو کے لگا رہی ہے

ہر بن میں ہر نگر میں ہر گھر میں ہر ڈگر میں
پھر پھر کے اپنی دل کی چِنتا مٹا رہی ہے

یا ہر کی جستجو میں پیتم کی آرزو میں
کاشی سے آ رہی ہے متھرا کو جا رہی ہے

یا جگ کی آفتوں سے تنگ آ کے بن میں جا کر
پرماتما کو اپنا دکھڑا سنا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

ہر لفظ میں چھپی ہے وحشت کی ایک دنیا
دل کی ہر آرزو کو مجنوں بنا رہی ہے

اِک آگ سی بھری ہے غمگین راگنی میں
دیپک سنا سنا کر تن من جلا رہی ہے

روحانیت کے نغمے منہ سے نکل رہے ہیں
ملکِ ابد کی جانب سب کو بُلا رہی ہے

پردہ سا اُٹھ گیا ہے آنکھوں کے سامنے سے
کیا جانے کِس جگہ کے جلوے دکھا رہی ہے

کچھ سوز ہے بیاں میں کچھ درد داستاں میں
شعلے اگل رہی ہے چھُریاں چلا رہی ہے

دیکھو! وہ کون جوگن جنگل میں گا رہی ہے

دنیا سے ہو رہی ہے بیزار میری ہستی
دِل ہاتھ سے چلا ہے جاں لب پہ آ رہی ہے

بتخانۂ جبیں میں سجدے مچل رہے ہیں
کافر ادا صنم ہے کافر بنا رہی ہے

معمور غمنوائی ہے ہر کلی کا دامن!
فیاض مطربہ ہے نغمے لٹا رہی ہے

اِک صوت سرمدی ہے ہر ذرہ کی زباں پر
موسیقیٔ ازل کے نغمے سنا رہی ہے

ساری فضا پہ طاری ہے اِک غبارِ ماتم
گویا تمام وادی آنسو بہا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

اب نغمے سو گئے ہیں باجہ بھی تھک چلا ہے
محشر اٹھا چکی ہے فتنے جگا رہی ہے

ایسی دبی صدا ہے گویا عروسِ نغمہ — منہ پھیر کر ہوا سے دامن چھڑا رہی ہے
یا کچھ غنودگی کے عالم میں مست کوئل — دھرتی کے گوپیوں کے دل گدگدا رہی ہے
کچھ کھل گیا ہے جیسے بادل کوئی برس کر — یا شمع جل جلا کر اب جھلملا رہی ہے
لو! وہ ستار کو بھی نیند آ گئی بغل میں — لو! وہ ستار اٹھا کر جنگل سے جا رہی ہے،

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل سے جا رہی ہے

مَیں تو مگر کچھ ایسا محسوس کر رہا ہوں — جیسے وہ ظالم ابتک ویسے گا رہی ہے
ابتک فضا پہ ہے وہ کھویا ہُوا سا عالم — ابتک افق پہ یکسر مستی سی چھا رہی ہے
ابتک اٹھا رہا ہے ساز اسکا ابر نغمہ — ابتک نہ بان اس کی بجلی گرا رہی ہے
پھولوں سے ابتک اسکے نغمے ٹپک رہے ہیں — پتّوں سے ابتک اُسکی آواز آ رہی ہے
ابتک میں سر جھکائے حیرت زدہ کھڑا ہوں — ابتک وہی تجلّی آنکھوں پہ چھا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

رات کے فرشتے

ہواؤں میں رات کے فرشتے روپہلی پر پھٹ پھٹا رہے ہیں
سکوت کے میٹھے میٹھے لہجوں میں نیند کے گیت گا رہے ہیں
نظامِ ہستی پہ سر بسر، غفلتوں کے پردے گرا رہے ہیں
نظر سے نقشے، سروں سے خاکے، دلوں سے باتیں مٹا رہے ہیں
زمین، سے آسماں تلک، ایک مرمریں فرش بچھ رہا ہے

بہار کی چاندنی کے رمنوں میں رنگ لیاں منا رہے ہیں

خموش و مدہوش ہیں فضائیں، صدا فراموش ہیں ہوائیں

پروں سے گویا تھپک تھپک کر زمانہ بھر کو سلا رہے ہیں

مناظرِ کائنات پر اک سکوت کا نشہ چھا رہا ہے

نگاہوں کی شوخ مستیوں سے ہزاروں نیندیں لٹا رہے ہیں

چمن کی کرنوں بھری فضاؤں میں نور کا راستہ بنا کر

کبھی اِدھر اُڑ کے آ رہے ہیں، کبھی اُدھر اُڑ کے جا رہے ہیں

یہی خدا سے کرینگے جا کر شکائتیں سب کی غفلتوں کی

یہی ہمیں لوریاں سنا کر خدا سے غافل بنا رہے ہیں،

اُدھر ستاروں کی بزم میں زہرہ اپنا بربط بجا رہی ہے

اِدھر یہ پھولوں کی انجمن میں رسیلے نغمے سُنا رہے ہیں

زمانہ خاموش ہو چکا ہے، خدائی مدہوش ہو گئی ہے!

چمن کی خوشبوؤں سے لپٹ کر پڑی فطرت بھی سو گئی ہے!

سکوت زا بانسری ہیں کوئی پیامِ فطرت سُنا رہی ہے

خالد بٹالوی

ڈل دھرم سالہ

"دھرم سالہ سے سات آٹھ میل اوپر ایک نہایت ہی مصفّا اور شفاف جھیل ہے جس کے چاروں طرف بلند پہاڑ اور دیودار کے خاموش اور حسرت بار درخت کھڑے ہیں۔ پانی کی ساکن سطح پر کبھی کبھی ہلکا سا تموّج ہوا سے پیدا ہوتا تھا اور کبھی، کوئی ہلکی سی بدلی اوپر سے گذر کر پہاڑ کی درمیانی گہرائیوں میں غرق ہو جاتی تھی۔"

لہرا رہا ہے چار طرف سبزہ زارِ حُسن
اللہ رے سحر کلکِ نمر دنگارِ حُسن

اے وہ کہ تیرے جذبے ہی بیقرارِ حُسن
چل اُٹھ کے دیکھ شوکت و شانِ بہارِ حسن

یہ ڈل نہیں ہے معجزہ کردگار ہے
محبوبۂ جمیل دلِ کوہسار ہے

منظر سکوت خیز ادھر دیودار کے
اور سلسلے بلند ادھر کوہسار کے

جلوے نشاط کارئ فصلِ بہار کے
شاہد ہیں حسنِ صنعتِ پروردگار کے

ہلکی سی ایک بدلی جو آکر بکھر گئی
جذباتِ حسن و عشق کو بیتاب کر گئی

وہ زیرِ آب عکسِ رُخِ آفتاب کا — وہ حُسن دلنوازِ خرامِ سحاب کا

موجِ ہوا سے ٹوٹ کے بننا حباب کا — عالم وہ سطحِ آب پر اک اضطراب کا

میرے سکونِ شوق کو بیتاب کر گئے

سرمایۂ شکیب کو سیماب کر گئے

ہر منظر ایک نقش ہے فرقِ وجود کا — یا آئینہ ہے فطرتِ جوشِ نمود کا

قائم اسی سے سلسلہ ہے ہست و بود کا — یہ ڈل کہ انتخاب ہے بزمِ شہود کا

یہ ڈل نہیں ہے پیکرِ رعنائے حُسن ہے

پانی نہیں ظہورِ تمنائے حُسن ہے

تاجور

کوہسارِ شملہ

ہمالیہ پہاڑ کی بلندیوں کے سلسلے! — نپولین کے حوصلے پہاڑیوں کے سلسلے!!

پہاڑ در پہاڑ ہیں زمیں سے لے کے تا فلک[1] — یہ سیڑھیوں کا سلسلہ ہے بامِ آسماں تلک

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

پلین میں برس رہی ہو آگ تو پہاڑ چل! — پلین کی فضائے آتشیں کو چھوڑ چھاڑ چل!

بلندیوں پہ چڑھ کے لطفِ سیرِ کوہسار دیکھ! — پہاڑ چل پہاڑ! کوہسار کی بہار دیکھ!

---

[1] پہاڑ در پہاڑ کی ترکیب انجمن اربابِ علم کے پروگرام کے مطابق ارادۃً استعمال کی گئی ہے[2] میدان

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

کالکا سے شملے کو روانگی

بڑھی جو کالکا سے ریل سبزہی بدل گئی
بلندیوں کے دیکھنے کی آرزو نکل گئی

پہاڑیوں سے کر رہی ہے ساز باز چاندنی
یہ جانفروز چاندنی یہ دلنواز چاندنی

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

مسافروں کی ہو رہی ہے ریل پیل ریل میں
کہیں ہے میل ریل میں کہیں ہے کھیل ریل میں

اِدھر کو جھک پڑے ہیں سارے شغل ریل چھوڑ کر
یہ سینری نظر پڑی تو کھیل ویل چھوڑ کر

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

سرنگ اور ریل

ہو جیسے دوست دل میں یوں سما گئی سرنگ میں
نگاہیں محو تھیں کہ ریل آ گئی سرنگ میں

کہ جیسے سانپ بل میں آ رہا ہو جا رہی ہے ریل
سرنگ میں چلی ہے سین کیا دکھا رہی ہے ریل

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

سرنگ ہے کہ ہیبت شبِ فراقِ یار ہے
سرنگ ہے کہ خلوتِ دلِ سیاہ کار ہے

چلا ہو غمکدے سے اپنے لیکے دردِ آرزو
سرنگ میں ہے ریل جیسے کوئی گرمِ جستجو

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

غار

ضرور یہ مہیب سین ایک بار دیکھئے!!
یہ گہرے گہرے کھڈ یہ خوفناک غار دیکھئے!!

الٰہی الاماں یہ غار ہیں کہ جاں شکار ہیں!!
خدا تیری پناہ! غار ہیں کہ بیشمار ہیں!!

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

پہاڑ کی بلند آسماں وقار چوٹیاں
ہیں صنع صانع ازل کی شاہ کار چوٹیاں
فلک سے ہمسری کے ولولے تھے تھم گئے ہیں کیا؟
زمیں کے حوصلے بلند ہو کے جم گئے ہیں کیا؟

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

ریل سے ماہتاب کا نظارہ

یہ دل لگی یہ کود پھاند اے پہاڑ چاند کی
یہ ریل کے مسافروں سے چھیڑ چھاڑ چاند کی
کبھی اِدھر چمک گیا کبھی اُدھر نکل گیا
اِدھر اُدھر چمک کے اپنی سمت پھر بدل گیا

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

نکل رہا ہے چودھویں کا چاند آسمان سے
پہاڑیوں پہ چاند کھیت کر رہا ہے شان سے
پہاڑیاں چمک رہی ہیں کیسی آن بان سے
برس رہا ہے چودھویں کا چاند آسمان سے

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

پہاڑی لوگوں کے گیت

پہاڑیوں کے گیت سے ہیں وجد میں پہاڑیاں
درخت مست بے طرح ہیں جھومتی ہیں جھاڑیاں
فضا میں نشہ تیرتا ہے جس سے رات مست ہے
ہیں مست ہوں کہ آج رات کائنات مست ہے

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

دُھوپ

یہ کون جلوہ گر ہے اے پہاڑ تیری دُھوپ میں
ہے کس کا حُسن جلوہ ریز اس سنہری روپ میں
چمک رہا ہے گوشہ گوشہ حسیں شش جہات کا
دمک رہا ہے ذرّہ ذرّہ تیری کائنات کا

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

شام

ہے کتنا دلگداز سین غم فشار شام کا
ہے چہرہ کس قدر حسین افق نگار شام کا

افق نگار شام کیا شفق سے لالہ فام ہے
شفق سے لالہ فام شام دلفروز شام ہے

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

دھنک کمان

حسینۂ فلک کی کیا یہ قوس ہفت رنگ ہے
کہ اسکے رنگ دیکھ کر ہر اک کی عقل دنگ ہے!!

یہ سین یہ حسین سین اک بلائے ہوش ہے
دھنک کمان کا نظارہ بیخودی فروش ہے

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

چیل کے درخت

یہ چیل کے درخت ہیں ستون سقف بے ستوں
یہ چیل کے درخت ہیں حریف چرخ نیلگوں

برس رہی ہے دلکشی قد فلک شگاف پر
خطوط مستقیم ہیں فضا کی سطح صاف پر

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

حسین فطرت اس چمن میں بے نقاب ہو گئی
یہ بے نقاب ہو گئی کہ لاجواب ہو گئی

نقاب رخ اٹھا دیا دلوں پہ قہر ڈھا دیا
خدا پرست مولوی کو نیچری بنا دیا

یہ سین تیرا اے پہاڑ! کس قدر حسین ہے!!

تاروں بھری رات

عابد

کیا دلفزا ہے تاروں بھری رات کا سماں　　تنویر کہکشاں سے ہے معمور آسماں
یوں مرتعش ہیں قافلہ ہائے سیارگاں　　جیسے کسی حسین کی آنکھوں کی پتلیاں
ہیں پھول طشتِ چرخ میں بکھرے پڑے ہوئے
یا دامنِ افق میں ہیں موتی جڑے ہوئے

طاری ہے گو جہاں پہ فسوں ردائے شب　　یاقوت و لعل سے ہے مزین قبائے شب
بے شک نور ظلمتِ رنگیں ادائے شب　　تاروں بھرا ہے گیسوئے لیلیٰ نمائے شب
آنچل ہے سطحِ چرخ کسی گلعذار کا
اور وہ بھی پارہ ہائے جواہر نگار کا

وہ کیف کا ہجوم وہ انوار کا وفور　　وہ روشنی کا فرش سرِ عرش دور دور
وہ تابشیں کہ ماند ہو رنگِ ضیائے طور　　تارے چمک رہے تھے مثالِ نگاہ حور
یکسر سفید پوش گلستاں بنے ہوئے
سب لالہ زار یاسمنستاں بنے ہوئے

طاری ہے کائنات پہ عالم سکوت کا　　گویا کہ خواب میں ہے ہر اک چیز مبتلا
کیفیت سرور میں ڈوبی ہوئی ہوا　　دامانِ آبشار سے آتی ہے یوں صدا
جیسے کوئی رباب بجائے فراق میں
رو رو کے دوسروں کو رلائے فراق میں

تارے ہیں آسماں پہ زمیں پہ بہارِ گل　　اللہ رے یہ جلوۂ رنگیں عذارِ گل

آخر نسیم آکے ہوئی ہم کنارِ گل
عنبر فشاں ہوا نفسِ مشکبارِ گل

برپا ہے باغ و راغ میں طوفانِ رنگ و بو
شیرازۂ نظر ہے پریشان رنگ و بو

"شام تاریک"

چھائی ہے جہاں پر شام تاریک
سر پر آنچل سیاہ و باریک

دریا ہیں ظلمتوں کے جاری
خاموش ہے کائنات ساری

آوازِ رحیلِ کارواں بند
دشوارئ راہ کا بیاں بند

طائر سب آشیاں میں روپوش
خوابِ معصومیت سے مدہوش

گلزار و ہزار دسار خاموش
یعنی ساری بہار خاموش

رنگینئ زر فشانِ انجم
شادابئ کاروانِ انجم

نورِ مہتاب کا تبسم
دریا کے خرام کا ترنم

گلہائے نظر نواز کے رنگ
گلہائے چمن طراز کے رنگ

تاریکئ انتظار میں گم
اندوہ غم آشکار میں گم

مطرب کا ساز سو گیا ہے
نغمہ خاموش ہو گیا ہے

۲

انوار سیاہ جاگ اُٹھے ہیں
عشرت کے گناہ جاگ اٹھے ہیں

روشن ہے دیار عیش کوشی
رندی۔ مستی۔ شراب نوشی

نغمے رقصاں ہیں عاشقی کے — شہہ رے ہیں طریق آذری کے
غلبہ مستی نے پالیا ہے — نیکی نے منہ چھپا لیا ہے
برسیں گے یہاں گناہ کے پھول — عشرت کی جلوہ گاہ کے پھول
کچھ نشہ فضا میں پیرتا ہے — شیطاں ہوا میں تیرتا ہے

۳

وہ حسن سیاہ کار نکلا — وہ غیرت صد بہار نکلا
اک بار چمک اٹھیں فضائیں — اک بار جھمک اٹھیں ہوائیں
شاداب و کامران و گل پوش — رنگینیٔ عاشقی سے بیہوش
پیراہنِ ریشمی بدن پر — گلرنگ و مرمریں بدن پر
انداز شباب گل بدامن — آنکھوں میں شمع حسن روشن
ہر ایک ادا ہوس کا پیغام — ہر ایک نگاہ عشرت انجام
آنکھوں کی سرگینیوں میں (ق) غمزوں کی نازنینیوں میں
اطوار تمام دلبری کے — انداز تمام ساحری کے
شانوں پہ فتنہ خیز گیسو — بکھرے ہوئے مشک ریز گیسو
ہر عشوہ بیقرار عریاں — ہر غمزہ سحر کار عریاں
بالکل سرشار ہیں نگاہیں — شاداب بہار ہیں نگاہیں
پاؤں میں لچک جوانیوں کی — بارش ہے گلفشانیوں کی
لغزش رفتار کی غضب ہے — گویا کہ رواں ہے موجۂ مے
ہونٹوں پہ موجزن تبسّم — گویا کہ چمن چمن تبسّم

خواجہ دل محمد ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

۴

اس حُسن سے ہے بہارِ ہستی — رنگینیٔ زر نگارِ ہستی
ننگ و ناموس کو بھلا کے — بس میں ہو تو میں کہوں یہ جا کے
تم زینتِ شامِ زندگی ہو — تم صبحِ دوامِ زندگی ہو

دِل

جامِ مہتاب

مہتاب کا روشن جام لئے مغرب سے شام نکلتی ہے
یہ جام چھلکتا جاتا ہے مے فرحت بخش اُچھلتی ہے
پھر چاندنی آکر گلشن میں سائے کے ساتھ مچلتی ہے
کچھ گھبرا گھبری ہوتی ہے وہ چھپتا ہے یہ ڈھلتی ہے
کیا ڈھلنا پھرنا چھایا کا خود عمر ہماری ڈھلتی ہے
یہ چاند نہیں آفاق پہ یہ ایام کی کشتی چلتی ہے

تارے

اکاس کے نیلے منڈل پر جو تاروں کی گلکاری ہے

سچ اسکی کیا من لیوا ہے درچ کیسی پیاری پیاری ہے
اور کاہکشاں جو بیچ میں ہے وہ پھولوں کی پھلواری ہے
کیا نکھرا نکھرا جوبن ہے کیا پیاری پیاری کیاری ہے
تسنیم نکل کر کوثر سے فردوس کے اندر ساری ہے
یا سمجھو دودھ بتاشوں کی آکاس پہ گنگا جاری ہے
اور تارے جب اس ساگر پر کچھ ہنستے ہنستے آتے ہیں
مُنہ نور سے اپنا دھوتے ہیں اور خالق کے گن گاتے ہیں
دنیائیں لپٹی پھرتی ہیں ان شعلوں اور جوالوں میں
اور سورج ریلے کھاتے ہیں ان آتش کے پرکالوں میں
کیا چکر کاٹے جاتے ہیں دن رات سنہری ہالوں میں
کیا نور بھرا ہے ذرّوں میں اور برق بھری ہے جالوں میں
مقدار وہ جس کی گنجائش ناممکن فہموں خیالوں میں
اور دوری ایسی - کرنیں[1] بھی آتی ہیں ہم تک سالوں میں
اک آگ ازل سے رکھی ہے ان آتشناک خزینوں میں
اک گرمی سی اک بجلی سی ہے پنہاں ان ہی دفینوں میں
کیا حدّت جلوہ پیرا ہے ان قدرت کے آئینوں میں
اَلعِشقُ کی آیت لکھی ہے نیچر کے لال نگینوں میں

[1] پانچ سال سے لیکر پانچسو سال تک کے عرصے میں ستاروں کی کرنیں زمین تک پہنچتی ہیں ۔

اِک آتش سلگی رہتی ہے اِن تاروں اور زمینوں میں
اِنساں نہیں گر آگ نہ یہ ہم رکھیں اپنے سینوں میں
یہ گرمی جی میں رکھتے ہیں جو یہ اگن بھڑکاتے ہیں
اَلعِشق کا منتر پڑھتے ہیں اور خالق کے گُن گاتے ہیں

شاعر

اِک صبح کی عبادت گذار

ایک تصویر کو دیکھکر

واہ کیا صبح کا عالم ہے خدا کی قدرت
مُہر خاموشی بس اب توڑنے کو ہے خلقت
جھلملا کر وہ چھپے جاتے ہیں تارے دیکھو
پڑ گئی پھیکی وہ مہتاب کی گہری رنگت
بام دور سے وہ ہٹا رات کا پردہ کم کم
وہ جھلکنے کو ہے خورشید کی بانکی صورت
آشیانوں میں چہکنے لگے خوش لہجہ طیور
بے زبانوں کی زباں پر بھی ہے رستروحدت
سنکھ پھکنے لگے بجنے لگے گھنٹے گھڑیال
اُٹھی ہر قوم عبادت کو بحسبِ عادت
بندھ گئیں لاکھوں صفیں اسکی حضوری کیلئے
وہ سُنی جانے لگی بعد اذاں قدقامت
مسلم و گبر و نصارا و چہ ترسا چہ یہود
پانی کی طرح سے ہر ظرف میں ہیں ہم صورت
ایسے عالم میں ہے اک معبد عالی کی نمود
سامنے میز کے استادہ ہے اِک خوش قامت
میز کیا ہے کہ یہ اک رحل ہے قد آدم
ہے کھلی جسپہ کتاب ایک برائے قرأت

جو ورق پیش نظر ہیں وہ کھلے ہیں بالکل — باقی فیتے سے بندھے ہیں کہ نہو کچھ دقت

پڑھنے والی کا جو انداز ہے وہ کیونکہ دکھائیں — مو قلم کی نہیں ہے اپنے قلم میں قدرت

دیکھنے والا ہے تو چشمِ تصور ہی سے دیکھ — اس طرح کرتے ہیں خوش چشم خدا کی طاعت

بھولی بھولی سی ہے اِک چینی کی مورت گویا — ہے فرشتہ۔ کہ پری کہیئے کہ حورِ جنت

کس قدر کھلتا ہے اس جسم پہ یہ گون سیاہ — سینے پر جھاگ سی جھالر وہ کفوں کی حالت

گورا بھرا سا وہ چہرہ تو بھبوکا سے وہ گال — جس پہ اک اور بھی معصوم پنے کی رنگت

کولوں تک آئے ہوئے اسکے سنہری وہ بال — مانگ ہے یا کہ نشانے بہ بیاضِ قدرت

پتلیاں اٹھی ہوئی دھیان میں اوپر کیطرف — چلیں نیلم کی یہ دو تیتریاں توڑ کے چھت

یہ دہن چہرے پہ ہے یا کوئی سربند کلی — پھول کا بوجھ اٹھائے نہیں اتنا بھی سکت

لعل رنگیں کا دو پلکا کہئے اِن ہونٹوں کو — اَب کھُلی بات کسی طرح ذرا ہو حرکت

جیسے بلور چمکتا ہوا ایسی ٹھوڑی — لمبی گردن سے صراحی کے گلے کو خجلت

چاند سا سینہ۔ بھرا جسم جوانی کا یہ جوش — لطف آجائے اگر جھومے یہ سرو قامت

وہاں اسوقت ہے معبود کی طاعت کا دھیان — بات کرنے کے اشارے نہ زباں میں قدرت

کہنیاں ہاتھوں کی بس رحل کے اوپر ہیں ٹکی — انگلیاں جنکی کہ پیوستہ ہوئی ہیں اَٹ گت

ایسی صورت پہ بھی خالق کو نہ رحم آئیگا — ایسے بندے پہ بھی کیونکر نہ کریگا رحمت

باش اے شاعرِ گستاخ کجا میرانی

آسمانے بہ زمین است کہ زیر قدمت

روحی

مناظرِ برشگالی

رنگ و بوئے جانفزا لائی بہارِ برشگال
پھول برساتی ہوئی آئی بہارِ برشگال

آج وقفِ لغزشِ مستانہ ہے کالی گھٹا
کیا ہوا پر جھومتی آتی ہے متوالی گھٹا

موتیوں کے ہار ابرِ تیرہ کی گردن میں ہیں
لب پہ اک شورِ طرب ہے بجلیاں دامن میں ہیں

کس قدر صحنِ چمن میں فیضِ مستی عام ہے
خندۂ مستانہ سے ہر پھول گویا جام ہے

آج ذوقِ زہد بھی ہے مے پرستی کی طرف
دل کا ہر ذرہ کھنچا جاتا ہے مستی کیطرف

دیکھ کر سبزے کا خوش منظر یہ ہوتا ہے یقین
بال بکھرائے ہوئے بیٹھے ہیں صدہا نازنین

ہے ادائے رحمتِ خالق ادا برسات کی
ایک پیغامِ مسرت ہے ہوا برسات کی

نامعلوم

مناظرِ قدرت

پھر درد بھری ہر سو کوئل کی صدا آئی
پھر کالی گھٹا اٹھی پھر ٹھنڈی ہوا آئی

بادل کے گرجنے سے پھر ہوک اٹھی دل میں
برسات کی رُت آئی پھر مجھ پہ بلا آئی

دعوت ہے جوانی کی، ہنگامۂ مستی ہے — تاثیر کا عالم ہے تاثیر برستی ہے
چھایا ہے اندھیرا سا، تابش ہے نہ تاریکی — یہ خلد نما منظر، سرمایۂ ہستی ہے

ہر باغ ہے میخانہ، ہر نخل ہے مستانہ — ہر بوند مئے صافی، ہر پھول ہے پیمانہ
موروں کی ہم آہنگی، سبزہ کی یہ خوش رنگی — جمگھٹ سے حسینوں کے گلشن ہے پری خانہ

صحرا ہو کہ آبادی معمورِ تکلّم ہے — کانٹوں میں ہے شادابی غنچوں میں تبسم ہے
چڑھتے ہوئے دریا میں ہے شانِ دلاویزی — پانی پہ جوانی ہے، موجوں میں ترنّم ہے

یہ جنّت نظّارہ، یہ جلوۂ بستانی! — موسم کی یہ رنگینی، فطرت کی یہ عُریانی
اس رُت میں بھلا کیونکر احساس نہ جاگ اُٹھے — حاصل ہے مجھے اس سے اک نسبتِ پنہانی

بجلی کی ہے بے تابی، اس دل کے دھڑکنے میں — بادل کی تراوش ہے اشکوں کے ٹپکنے میں
ان ٹھنڈی ہواؤں میں شامل ہیں مری آہیں — ہے سوزِ جگر پنہاں کوندے کے لپکنے میں

ہو جاتا ہوں سودائی جب آتی ہیں برساتیں — یاد آتی ہیں رہ رہ کر کچھ گزری ہوئی باتیں
اس بھولنے والے سے اے کاش کوئی کہہ دے — کاٹے سے نہیں کٹتیں برسات کی یہ راتیں

(معارف)

بالی

لالہ

میں تجھے اخگر کہوں یا لالِ نگارا کہوں
مہرِ عالمتاب کا ٹکڑا کہ مہ پارا کہوں
ماہِ خوبی یا سپہرِ حسن کا تارا کہوں
تو بتا دے میں تجھے کیا اے چمن آرا کہوں

لعل ہے۔ یاقوت ہے، یا لالۂ حمرا ہے تو!
دُرِّ اشکِ سُرخ ہے، مرجان ہے آخر کیا ہے تو!

چشمِ پرخون ستم گر سے زیادہ سُرخ ہے
سُرخ ہے، سرخاب کے پر سے زیادہ سُرخ ہے
سچ ہے تو خونِ کبوتر سے زیادہ سُرخ ہے
لال سے یاقوتِ احمر سے زیادہ سُرخ ہے

سُرخ پوشوں سے زیادہ سرخ اے لالہ ہے تو
شمعِ بزمِ گل ہے یا آتش کا پرکالہ ہے تو

بادۂ گلگوں کا اِک جام نشاط آگیں ہے تو
نو عروسانِ چمن کا حجلۂ رنگیں ہے تو
نازشِ بزمِ چمن ہے لائقِ تحسیں ہے تو
خونِ دل کی ہے جھلک وہ منظرِ خونیں ہے تو

داغ ہے تجھ میں بھی بزمِ عشق کے قابل ہے تو
آ تجھے سینے میں رکھ لوں یادگارِ دل ہے تو

اے گلِ بے خار! اے فخرِ چمن! اے جانِ باغ
نزہتِ گلہائے گلشن! باغ کے چشم و چراغ!
گو بظاہر تو نظر آتا ہے خوش خوش بر باغ باغ
قلب بالی کی طرح لیکن جگر ہے داغ داغ

تیری ہستی جلوہ گاہِ اشکِ گلگوں تو نہیں

تو کسی دردآشنا کا قلبِ پرخوں تو نہیں

نازش

بہار

نورِ طلق کی ضو سے ہیں افلاک گلگوں پیرہن
موجِ شفق کی رَو سے ہے فرشِ زمیں رشکِ چمن

گوہر ہے آبِ حسن کا بزمِ عناصر کی چمک
جوہر ہے تابِ حسن کا اشیائے عالم کی پھبن

لالہ ہے اپنے ہاتھ میں یاقوت کا ساغر لئے
گلہائے سوسن کی زباں ہے غیرتِ نہرِ لبن

نرگس کی عشوہ سازیاں پردہ کشائے حور ہیں
شبنم کے آئینہ میں ہے روئے جناں پرتو فگن

وادی کی ہے دلکش فضا ٹیلے زمردی فزوں
موجوں پہ عالم وجد کا چشمے ہیں کوثر کا دہن

صحرائے حیرتناک میں یوں گونجتی ہے بادِ خوش
ہوں شانِ قدرت دیکھ کر جیسے فرشتے نغمہ زن

ہے لمبی لمبی گھاس پر قطراتِ شبنم کی جھلک
یا گلرخانِ شوخ کے دامن میں ہیں دُرِّ عدن

سرخی شفق کی دوڑ کر لیتی ہے بوسے پھول کے
غنچے ہیں قیل و قال میں صرفِ تبسم ہے دہن

ہے آبشاروں کی صدا اک نغمۂ الہامِ نو
ہیں آسماں پر رقص کن سیارگانِ ضو فگن

حوروں کے گیسو چھوڑ کر آئی ہیں جھونکے خلد کے
فردوس کی ارواح ہیں یا عندلیبانِ چمن

آتی ہے رہ رہ کر صدا سجدہ کناں ہیں ڈالیاں
اللہ اکبر کیلئے ہو وقف غنچوں کا دہن

بلبل کے رنگیں بال و پر ہیں جائے حیرت زرفشاں
ہے تاجدارِ نامیہ گلزار میں جلوہ فگن

رِس پپیہا آواز سے اٹھتی ہے دلمیں گدگدی
نیرنگِ ہستی کا سبق پڑھتے ہیں اشجارِ چمن

حسرت

برکھا رُت کی ایک رات

"تصویر دیکھ کر"

اک فتنہ گر حسینہ جادو نظر حسینہ
اِک حورِ ماہ پیکر محبوب مہر منظر
بیٹھی ہے سر جھکائے پیتم سے لَو لگائے
آنسو نکل رہے ہیں
چشمے اُبل رہے ہیں
ارماں مچل رہے ہیں
پہلو بدل رہے ہیں

گردونِ دلبری کا چرخ فسونگری کا
ٹوٹا ہوا ہے تارا اخگر ہے یا شرارا
اِک شمع ہے لگن میں سُورج ہے یا گہن میں
بُلبُل ہے یا قفس میں مجبُوریوں کے بس میں
آنسو بہا رہی ہے
موتی لٹا رہی ہے

تن من جلا رہی ہے
طوفاں اُٹھا رہی ہے

ہونٹوں پہ سرد آہیں — اور مضطرب نگاہیں
اُلجھے ہوئے ہیں گیسو — بیتابیوں کے پہلو
پی کی لگن لگی ہے — اگنی سُلگ رہی ہے
آنکھیں ہیں جستجو میں — دِل غرق آرزو میں

ہر چیز سو رہی ہے
مدہوش ہو رہی ہے
وہ ہے کہ رو رہی ہے
دامن بھگو رہی ہے

بادل گرج رہے ہیں — طنبور بج رہے ہیں
تاریکیاں ہیں لرزاں — اور بجلیاں ہیں رقصاں
فِطرت کا ذرّہ ذرّہ — کچھ سوچتا ہے گویا
اِک خامشی کا عالم — وارستگی کا عالم

سکہ ہے شب کا جاری
اور کائنات ساری
مصروفِ اشکباری

اِک بیخودی سی طاری

ساغر

جب بادل مجھ سے نیچے تھے!

منصوری کی ایک فلک بوس چوٹی پر

سب کپڑے تر ہو جاتے ہیں جب سرد ہوائیں آتی ہیں
لرزش بالوں کو ہوتی ہے سانسیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں
تا دُور عمیق خلاؤں میں ہر سمت فضائیں خالی ہیں
مستورِ نشیب رگیں ہیں کچھ چیزیں کالی کالی ہیں
میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں
جو سب سے اُونچی چوٹی ہے
پستی کچھ دُھندلی ہے عالم کچھ میلا میلا ہے
دنیا پر کہرہ طاری ہے ہر سمت دھواں سا پھیلا ہے
شاداب درختوں کی شاخیں جُھک کر سجدہ میں گرتی ہیں
آزاد بلند فضاؤں میں کچھ چڑیاں اُڑتی پھرتی ہیں
میں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں

جو سب سے اُونچی چوٹی ہے

نظروں سے دو خلاؤں میں ہیبت آگیں اِک پستی ہے
جس کی وسعت میں فطرت کی خاموش اِک بستی بستی ہے
سب گلشن مجھ سے نیچے ہیں سب جنگل مجھ سے نیچے ہیں
میں ہر بادل سے اوپر ہوں اور بادل مجھ سے نیچے ہیں
مَیں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں
جو سب سے اُونچی چوٹی ہے

کچھ ناہموار چٹانیں ہیں اُن پر سنگین کاشانے ہیں
آبادی میں ہر جا روشن بجلی سے خلوت خانے ہیں
ٹیڑھی، سیدھی، اُونچی، نیچی سڑکیں کوسوں پھیلا دی ہیں
کہسار میں بھی انسانوں نے کیا زندگیاں دوڑا دی ہیں
مَیں اُس چوٹی پر بیٹھا ہوں
جو سب سے اُونچی چوٹی ہے

ایک ویران آبادی میں شکستہ عبادت خانہ

صحنِ حرم کے رُخ پر پتھر گرے ہوئے ہیں
مینار ٹوٹے پھوٹے ابنک کھڑے ہوئے ہیں

آثار سے عیاں ہے شانِ کمال اب تک
مٹی میں کوندتی ہے برقِ جلال اب تک

ٹوٹے ہوئے مصلّے اعلانِ پاکبازی
ہیں معتکف ابھی تک گویا یہیں نمازی

ذرّوں پہ کچھ ہٹے سے سجدوں کے ہیں نشاں بھی
جھونکوں میں ہے ہوا کے گونجی ہوئی اذاں بھی

دھندلی سی چاندنی ہیں محراب و در شکستہ
دو طائرِ حجازی بیٹھے ہیں پر شکستہ

سعید

گنگا اشنان

گنگا کے کنارے نم اشنان کئے جاؤ
مشتاق نگاہوں پر احسان کئے جاؤ

مذہب کی یہ پابندی اور اپنا یہ بن دیکھو
یہ وقت سحر دیکھو جاڑے کے یہ دن دیکھو

او حسن سے بے پروا او دھرم کی متوالی
ہٹ جائے نہ سردی سے رخسار کی یہ لالی

منظرِ لب دریا کا تھا یوں ہی بہت پیارا
سونے پہ سہاگہ ہے یہ صبح کا نظارا

مستغنی از آرائش کیا وضع نکالی ہے
ٹیکا ہے نہ جھومر ہے پتے ہیں نہ بالی ہے

یہ سادگی بہتر ہے ہر ایک بناوٹ سے
اچھا ہے یہ بھولاپن ہر ایک لگاوٹ سے

ستّارِ تنِ نازک گو ہلکی سی ساری ہے
ہے قول نزاکت کا پھر بھی کہ یہ بھاری ہے

بھیگے ہوئے کپڑوں سے ہے رنگِ بدن پیدا
یا ہلکے سے بادل سے سورج کی کرن پیدا

گو شانِ تقدس بھی چہرے سے نمایاں ہے
شوخیِ ادا لیکن غارت گرِ ایماں ہے

اُس کو بھی پسند آئی یہ شکل ہی پیاری ہے
تصویر جو یوں دل میں دریا نے اُتاری ہے

یہ فتنۂ محشر ہے یا بانکی ادائیں ہیں
یہ گیسوئے پُرخم ہیں یا کالی بلائیں ہیں

اُوپر کو اُٹھاؤ تو تم بہرِ خدا آنکھیں
یہ سحر بھری آنکھیں تصویرِ حیا آنکھیں

تم یونہی نہانے کو اُن پر بھی کھڑی ہوتیں　　اے کاش مری آنکھیں پتھر میں جڑی ہوتیں

گنگا میں تمہیں پیاری اشنان مبارک ہو

اس دل کو محبت کا ارمان مبارک ہو

حامد اللہ افسر

تربینی

(۱)

پر باگ پہ بچھڑی ہوئی بہنیں جو ملی ہیں　　پانی کی زمیں پر بھی تو کلیاں سی کھلی ہیں

کچھ گنگا کا رُکنا

کچھ جمنا کا جُھکنا

پھر دونوں کا ملنا

وہ پھول سے کھلنا

کس شوق سے اٹھلاتی ہوئی ساتھ چلی ہیں　　یہ عشق و محبت کے نظارے ازلی ہیں

(۲)

کہتے ہیں کہ جنت سے بھی آئی ہے بہن ایک　　گو تینوں کا ہے اصل میں گھر ایک وطن ایک

گھر جب سے چھٹا تھا

دل سرد ہوا تھا

وہ کوہ سے گرنا

وہ دشت میں پھرنا

راتوں کو وہ سنسان بیابان میں چلنا سہمے ہوئے تاروں کا وہ سینے پہ مچلنا

(۳)

تنہا وہ سفرِ دشت میں میدان میں بن میں خاموش پہاڑوں میں بیاباں میں چمن میں

جنگل سے نکلنا

رُکتے ہوئے چلنا

بڑھ بڑھ کے پلٹنا

ڈر ڈر کے سمٹنا

مر مر کے اکیلے یہ گزارا ہے زمانہ جیسے کوئی دنیا میں نہ ہو اپنا یگانہ

(۴)

خالی کبھی جاتی نہیں بے لفظ صدائیں آخر کو اثر کر گئیں خاموش دُعائیں

جاگا ہے مقدّر

پریاگ پہ آکر

اب غم نہ سہیں گی

تنہا نہ رہیں گی

پریاگ پہ بہنوں کو ملایا ہے خُدا نے مُدّت میں یہ دِن آج دکھایا ہے خُدا نے

(۵)

کیا جوش محبت سے بغلگیر ہوئی ہیں وارفتگیِ شوق کی تصویر ہوئی ہیں

اللہ رے محبّت

سرمایۂ راحت
یہ کِس کو خبر تھی
دل مِلتے ہیں یوں بھی
ہوں گی نہ جُدا حشر تک اب ایسی ملی ہیں   خوش بہنیں ہیں یا پانی پہ کلیاں سی کھلی ہیں

فاخر

سکائی لارک

آزاد سب افکار سے   آزاد ہے ہستی تری
کیا چیز ہے مستی تری
دنیا کی شورش گاہ سے   ہے دور تر بستی تری

تری نوائے شوق سے   سارا جہاں معمُور ہے
اور آسماں معمُور ہے
کیا جانے کن اسرار سے   تری فغاں معمُور ہے

وہ اُڑنا اور آکاس میں   نظروں سے چھُپ جانا تیرا
وہ دور کاشانہ تیرا

گانے ہوئے اُڑنا تیرا　　اُڑتے ہوئے گانا تیرا

جاتی ہے جب تو عرش پر　　اپنے حریم ناز سے
آراستہ ہر ساز سے
گرتے ہیں نغمے فرش پر　　تیرے پر پرواز سے

تو اِک مجسم شعر ہے　　جذبات کا فوّارہ ہے
اور عشق کا گہوارہ ہے
یا آب و گِل کی شکل میں　　کوئی صدا آوارہ ہے

ہے لیلی محمل نشیں　　اور تیرا بن ہے آسماں
دشت کہن ہے آسماں
او بادلوں کی نازنیں!　　تیرا وطن ہے آسماں

تو اس کی دلدادہ ہوئی　　وہ چاہنے والا تیرا
ہے چاند متوالا تیرا
یہ کہکشاں کیا چیز ہے　　اک منجمد نالا تیرا

اک تیر ہے تو وقت کی　　ٹیڑھی کماں کے درمیاں

جسم اور جاں کے درمیاں
یا ایک نقطہ ہے زمین و آسماں کے درمیاں

یا سازِ موجودات میں اِک نغمۂ بے تاب ہے
یا قطرۂ سیماب ہے
یا زندگی کی نیند میں کوئی پریشاں خواب ہے

اک نغمۂ سیال ہے یا روحِ آزادی ہے تو
ننھّی سی شہزادی ہے، تو
جنگل میں منگل تجھ سے ہے صحرا کی آبادی ہے تو

اُڑ کر زمیں سے چرخ پر تو صورتِ شبنم گئی
رستے میں لیکن تھم گئی
گویا لہو کی بوند تھی جا کر فضا میں جم گئی

تو رفعتِ پرواز سے سوئے زمیں تکتی نہیں
اُڑتی ہوئی تھکتی نہیں
اور اس بلندی تک نظر میری پہنچ سکتی نہیں

کیا آسماں اور کیا زمیں　　یہ گردشِ ایام کیا
زنجیر صبح و شام کیا
تیری نظر میں، ہیچ ہے　　آغاز کیا انجام کیا

ابوالحسن ناطق

میرا جھونپڑا

ہے پُرانا دوست بچپن کی محبت تجھ سی ہے　　کیوں نہ میں خوش ہوں کہ میرے دل کو راحت تجھ سی ہے
دل لگا ہے دل لگی کی آج صورت تجھ سی ہے　　کوئی وحشی ہوں جو کہدوں ہیں کہ وحشت تجھ سی ہے
تیری زینت مجھ سے ہے اور میری فرحت تجھ سی ہے
تجھ کو اُلفت مجھ سی ہے اور مجھ کو اُلفت تجھ سی ہے

یُوں تو کہنے کے لئے تو چیز ہے کیا؟ جھونپڑا　　کوئی لیکن مجھ سے یہ پوچھے کہ کیسا جھونپڑا
میرا ہمدم اور میرا پیارا پیارا جھونپڑا　　میرا چھوٹا سا جھونپڑا اور میرا اچھا جھونپڑا
تیری زینت مجھ سے ہے اور میری فرحت تجھ سی ہے
تجھ کو اُلفت مجھ سے اور مجھ کو اُلفت تجھ سی ہے

تیرے ہر ذرہ سے میری جان ہے پہچان ہے　　یہ مری دل بستگی کا اِک بڑا سامان ہے
جی نہیں گھُٹتا ہے تجھ سی تجھ میں میری جان ہے　　بولتا ہے مجھ سے تنہائی میں تو انسان ہے

تیری زینت مجھ سے ہے اور میری فرحت تجھ سے ہے
تجھ کو اُلفت مجھ سے ہے اور مجھ کو اُلفت تجھ سے ہے

امین

گلِ آخر بہار

اے گلِ آخر بہارِ چمن — ننگ و ناموس شاخسارِ چمن
مایۂ نازِ جانِ زارِ چمن — نشۂ باغ کا خمار ہے تو
عہدِ ماضی کی یادگار ہے تو!

ایک جانب خزاں کی یورش ہے — اک طرف آسماں کی یورش ہے
یعنی دورِ زماں کی یورش ہے — سب کے پہلو میں گویا خار ہے تو
عہدِ ماضی کی یادگار ہے تو

رنگ و بو ہے مگر ترنگ نہیں — ڈھنگ تیرے سلف کے ڈھنگ نہیں
اپنے آبا سا شوخ و شنگ نہیں — پُرتہوّر نہ باوقار ہے تو!
عہدِ ماضی کی یادگار ہے تو!

گو ترا عہد شاندار نہیں — گو ترا بخت کامگار نہیں
گو تری وضع باوقار نہیں — پھر بھی گلشن کا تاجدار ہے تو!
عہدِ ماضی کی یادگار ہے تو!

خمخانہ ہست

حُسنِ مہِ نوجواں ہے پُر کیف
تاروں بھرا آسماں ہے پُر کیف

زہرہ کی تجلیوں میں مستی
نظارۂ کہکشاں ہے پُر کیف

مے ریز ہے صبح کا ستارہ
اور مطلعِ ارغواں ہے پُر کیف

ہنگامِ طلوع کی صبوحی
پُر لطف ہے بگیاں ہے پر کیف

خورشید کی ہر کرن ہے مینا
اور جامِ بدست چشم بلینا

میخانہ بدوش خود صبا ہے
گلشن میں سرور بٹ رہا ہے

مرغانِ چمن کی بذلہ سنجی
غارت گرِ ہوش بر ملا ہے

جنگل کا نظارہ بیخودی خیز
ساقی نہیں ہر شجر تو کیا ہے

گرتے ہوئے آبشار کا شور
خمارِ الست کی صدا ہے

چشموں سے شراب بہ رہی ہے
بے کیف نہیں یہاں کوئی شے

قریشی

برکھا رت

سوئی ہوئی فطرت جاگ اُٹھی پھر کروٹ بدلی دُنیا نے

آباد ہیں جس سے ویرانے وہ باغ لگا ہے جنگل میں
پُرشور ہیں موجیں دریا کی ہیں تیز ہوائیں صحرا کی
دیکھا جو نکل کر بستی سے ہنگامہ بپا ہے جل تھل میں
ہر گلشن گلشنِ جنت ہے ہر وادی وادیٔ ایمن ہے
خوشبو ہے بہار کی پھولوں میں برسات کا رنگ ہے کونپل میں
ہر بوند نے دنیا میں آکر اعجاز مسیحا دکھلایا
مُردوں کو کیا جس نے زندہ کیا چیز تھی ایسی بادل میں
پھر "بیر بہوٹی" نکلی ہے کھیتوں میں زمین کے اندر سے
یا اک متحرک بوند ہے یہ لپٹی ہوئی ہے جو مخمل میں
حیرت ہے جہاں کو پل بھر میں آخر یہ ہوا کیونکر ایسا
فطرت یہ کہاں سے لے آئی دنیا کے لئے منظر ایسا
گھنگھور گھٹائیں چھائی ہیں میلا ہے چمن میں جھولوں کا
ہر شاخِ شجر کی وجد میں ہے پُرکیف ہوائے گلشن ہے
یہ گلشن ہے یا اک جنت ہیں جھول رہی حوریں جس میں
یہ نور کا زیور ہے کوئی یا ہار حمائلِ گردن ہے
ہر غنچہ گل کھِل کر ہے بنا اک جام شراب احمر کا
نرگس کی ہوئی ہیں بند آنکھیں خاموش زبان سوسن ہے
آئی ہے سنانے پھر کوئل دلسوز ترانے کوکو کے
معلوم ہوا اس کا سینہ غم ہائے نہاں کا مخزن ہے

اس سے بھی نہ آخر ضبط ہوا دیکھو وہ پپیہا بول اُٹھا
آثار یہ سب بتلاتے ہیں بیشک یہ مہینہ "ساون ہے"
یک لخت بدلنا موسم کا اک رازِ نہانی ہے گویا
کہتے ہیں جسے سب برکھا رُت گلشن کی جوانی ہے گویا
تھی رات اندھیری پہلے سے پھر اس پہ گھٹا چھائی کالی
دل کانپ گئے ہیں سبھوں کے دیکھا ہے جو ایسے منظر کو
جنگل میں مسافر بے چارہ بچھڑا ہے جو اپنی منزل سے
ہے یاس کا عالم پیشِ نظر اور ڈھونڈ رہا ہے رہبر کو
سنسان پڑے ہیں دشت و جبل سنّاٹا ہے میدانوں میں
اک گہری نیند میں ہے دُنیا اوڑھے ہوئے شب کی چادر کو
انسان یہاں اس وقت کہاں؟ بجلی ہی فقط ہے راہ نما
رہرو کو دکھاتی ہے رستہ چمکا کے شعاعِ انور کو
ہیں ایسے بھی قسمت کے دھنی بیٹھے ہیں جو اپنے محلوں میں
ہے جمع حسینوں کا مجمع گردش ہے برابر ساغر کو
انسان لگائے دل نہ کبھی اس دنیا کی ان ہانوں میں
پھر دیکھے قدرت کے جلوے برسات کی کالی راتوں میں
برسات کا موسم آیا ہے کہساروں میں سبزہ ہے اُگا
پستی سے بلندی تک جس نے مخمل کا فرش بچھایا ہے
یہ ننھی ننھی پھوار نہیں اک پردہ سا ہے زیرِ فلک

ہفتوں سے نیرّ اعظم نے چہرہ کو اپنے چھپایا ہے
کل تک تھی جہاں خاموش فضا طوفاں بپا ہے آج وہاں
چشموں نے بلندی سے گر کر میلوں تک شور مچایا ہے
طائر ہیں ہوا میں تیر رہے ہیں ہوش رُبا جن کے نغمے
ان چھوٹی چھوٹی جانوں نے جنت کا سماں دکھلایا ہے
چلتی ہے ہوائے مستانہ عاقل بھی یہاں ہے دیوانہ
جادوگرِ فطرت نے اپنے جادو کا رنگ جمایا ہے
جس کوہ پر اب پڑتی ہے نظر ہے کوہ طور حقیقت میں
ہے قدرت ہی خود جلوہ نما بے پردہ مناظر قدرت میں
صد رشکِ جناں دنیا کو کیا، سامانِ حیاتِ انساں کو دیا
بھولے گا نہ اب جاندار کوئی احسان ترا اے برکھا رت
اشجار بنایا دانوں کو جاندار کیا بے جانوں کو
باہر ہے بشر کی طاقت سے جو تو نے کیا اے برکھا رت
ٹوٹے ہوئے دِل کی اُمید ہے تو دہقاں کے گھر کی عید ہے تو
سب مانگ رہے تھے تیری دُعا ہر صبح و مسا اے برکھا رُت
مُدت سے زمیں میں تھے جو بے ظاہر وہ خزانے تو نے کئے
نکلا وہ زمیں کے سینہ سے جو کچھ تھا چھپا اے برکھا رُت
مغموم تھا میں ناشاد تھا میں رنجور تھا میں ناکام تھا میں
دیکھی ہے جو تیری کیفیت سب بھول گیا اے برکھا رت

برسات کا عالم دیکھ کے جو بنے چین نہیں حیران نہیں
واللہ قریشی سچ تو یہ ہے کچھ اور ہے وہ انسان نہیں

تبسم

فطرت میں ہے شان خود نمائی

وہ دیکھ اُفق ہُوا فروزاں
آثارِ سحر ہوئے نمایاں

تاریکی شب ہوئی ہے روپوش
خورشید ہے نور سے ہم آغوش

تازہ ہُوا شورِ سازِ ہستی
وہ نغمۂ دل نوازِ ہستی

دریاؤں میں آگیا تلاطم
لہروں میں پڑی ہے شورشِ قم

گلزار کی خوشنما فضا دیکھ
اشجار کی دل رُبا ادا دیکھ

عریاں ہے جمالِ دشت وصحرا
آزاد خرام ہے صبا کا

دل چھین رہی ہے ہر کلی کا
نرگس کی نگاہِ بے محابا

آغوش کشا کلی کلی ہے
ہر گل میں خلش نمود کی ہے

قدرت ہوئی بے نقاب یکسر
اک جلوۂ بے حجاب یکسر

ہر ذرہ ہے محو جلوہ زائی
فطرت میں ہے شان خود نمائی

اب تو بھی نقاب کو اُٹھا دے
پردے کو حجاب کو اُٹھا دے

حامد علی خاں

زورقِ ماہتاب

ہُوا ہے مہر ابھی نہاں

ابھی شفق ہے ضو فشاں   عجیب یہ بھی ہے سماں

فروغ لالہ زار ہے بہار ہی بہار ہے

سکوت شام میں کوئی نگار جلوہ بار ہے

کھڑے ہیں سرو صف بہ صف

ہجوم گل ہے ہر طرف   کہ ہیں شہید سر بکف

بچھا ہے سبزہ سو بہ سو یہ کس کا انتظار ہے

کہ فرشِ مستِ رنگ ہے تو عرش میگسار ہے

اُفق کا سینہ چیر کر

ہُوا ہے نور جلوہ گر   جہاں تہاں اِدھر اُدھر

یہ چشمۂ رُک سکا نہ جب تو یک بیک اُبل پڑا

اُفق سے نورِ ماہ کا بہ رنگِ موج اُچھل پڑا!

یہ نور کا وفور ہے

کہ ذرّہ ذرّہ طور ہے   فروغ سیل نور ہے

یہ سیل اپنے ساتھ ہی مجھے بہا کے لے گیا

خبر نہیں کہاں کہاں مجھے اُٹھا کے لے گیا؟

جلوہ آرائی نظر

جوہرِ نگاہ کے
ہیں تمام شعبدے
کوہسار، آبشار، جوئبار، لالہ زار   کائناتِ حسن کے جلوہ ہائے سحر کار
ان میں دیکھتا ہوں حسن
دیکھتا رہا ہوں حسن
مَیں نہ ہوں تو کچھ نہیں میں نہ تھا تو کچھ نہ تھا

مَیں ہوں حُسن آفریں

ہیں تمام شعبدے
جوہرِ نگاہ کے
آفتاب، ماہتاب، اور نجوم بے حساب   حسن کی کتاب کے پارہ ہائے برق تاب
ان میں دیکھتا ہوں حسن
دیکھتا رہا ہوں حسن
میں ہوں حسن آفریں + میں نہ تھا تو کچھ نہ تھا

مَیں نہ ہوں تو کچھ نہیں

ماہر

برکھا رُت میں

پھر حسینوں کی طبیعت لاجونتی ہوگئی
تھی جو سادی ساری وہ بسنتی ہوگئی

کالی کالی اور متوالی گھٹائیں چھا گئیں
یا سیہ پریاں فضا میں بال کھولے آگئیں

برق کی آواز پر ابرِ سیہ مرنے لگا
چوٹیوں سے کوہ کی سرگوشیاں کرنے لگا

پتی پتی ڈالی کا نیا عالم ہوا
اور سے کچھ اور اِک اِک قطرۂ شبنم ہوا

یوں نکل آئے شجر پہنے زمرد کی عبا
جیسے کیفِ وجد میں ہوں مست خاصانِ خدا

دوب نے مخمل بچھایا ہے پرِ طاؤس کا
رنگِ سبزہ نے اُڑایا تختِ کیکاؤس کا

جلال الدین اکبر

ایک تصویر کو دیکھ کر

کسی کا آئینہ خانہ نگاہ پرور ہے
کہ جلوہ ریز وہاں اک بہشت پیکر ہے
وہ حسن جس کی چمک ضو فشانِ دنیا ہے
کوئی کہے کہ مئے ارغوانِ دُنیا ہے

وہ دلکشی کہ رُخِ ماہ زرد ہوتا ہے
یہیں تو جلوۂ خورشید گرد ہوتا ہے
بہشت زار ہے یہ حسنِ نازنیں اِس کا
بنا ہے نور سے یہ جسم مرمریں اس کا
مصوروں کی نظر دیکھ کر پریشاں ہے
سمن فروشِ نظر ہے کمر تک عریاں ہے
فروغ حسن ہے یا رنگ و بُو کا طوفاں ہے
کوئی کہے کہ مجسم بہارِ خنداں ہے
مہک اُٹھی ہیں ہوائیں وفورِ خوشبو سے
چمک اُٹھی ہیں فضائیں نگاہِ جادو سے

شفقِ صبح

بہارِ صبح عجب دل فروز منظر ہے
ہوائیں مشک فشاں ہیں فضا معطر ہے
شفق کے رنگ سے لبریز چرخِ اخضر ہے
کوئی کہے کہ یہ موجِ شرابِ احمر ہے
جھلک پڑے ہیں ستاروں کے جام بلوریں
تو سطح چرخ ہوئی ہے شراب سے رنگیں
یہ خواب ہے کہ طلسمِ خیال ہے کیا ہے؟
ریاضِ خلد کا رنگِ جمال ہے کیا ہے؟
یہ روز و شب کا مقام وصال کیا ہے؟
مری نگاہ کی حدِّ کمال ہے کیا ہے؟

بلندیوں پہ یہ رنگین مکان کیسا ہے
جہان بھر سے انوکھا جہان کیسا ہے

طلسمِ رنگ کہے مستیٔ بہار کہے — رُخِ نگار کہے، قصرِ زرنگار کہے
بلند بام کہے، آسماں وقار کہے — جو دیکھ لے کوئی شاعر تو لالہ زار کہے

فروغِ نور سے کل کائنات رنگین ہے
مگر عروسِ فلک کو خیالِ تزئین ہے

ہے سطحِ آب کی گہرائیوں میں طورِ شفق — بہارِ موج پہ رقصاں ہے عکسِ نورِ شفق
ہر ایک چیز ہے غرق ہئے طہورِ شفق — ہر ایک چیز پہ طاری ہوا سرورِ شفق

چھلک رہی ہے یہ مینائے رنگ و بو گویا
شراب نوش ہے دُنیائے رنگ و بو گویا

شفق کا سُرخ سا آنچل نظر کی جنت ہے — وہ رنگ ہے کہ عیاں رنگِ حسنِ فطرت ہے
لطافتوں میں شفق حاصلِ لطافت ہے — ہجومِ کیف ہے دل پُر وفورِ عشرت ہے

تاثراتِ ہجومِ سرور میں گم ہیں
تصوّراتِ ہجومِ سرور میں گم ہیں

کسی کی یاد ہے دنیائے دل میں عنبر بیز — کسی کی یاد ہے دنیائے عشق میں گل ریز
خیال پرور و کیف آشکار و عشرت خیز — بہار پیکر و درد آشنا و مہر انگیز

کسی کے حُسن کے جلوے نہاں ہیں آنکھوں میں
بہارِ عشق کی رنگینیاں ہیں آنکھوں میں

نظم

ابرِ بہار

ہو گیا بیدار عالم آ گئی فصلِ بہار
پڑ گئے باغوں میں جھولے، گا رہے ہیں سب ملہار
کھِل گئے گلہائے رنگیں لہلہائے سبزہ زار
کوئلوں کی کوک نے ڈالی ہے دنیا میں پکار

بلبلوں کے چہچہوں سے بوستاں پُر شور ہے
میکشوں کے جمگھٹوں سے اِک جہاں پُر شور ہے

مستیاں پیدا ہیں گلشن کے در و دیوار سے
لغزشِ پا کا مزا پوچھے کوئی مے خوار سے
ٹپکی پڑتی ہے جوانی پھول کی ہر خار سے
اِک سماں ہے نغمہ ہائے عندلیبِ زار سے

سازِ ہستی بج رہا ہے ابر کی رفتار پر
دوڑتے ہیں نغمۂ دلکش ہوا کے تار پر

ابرِ مہ سے ہے چراغِ زیرِ داماں کی طرح
دھیمی دھیمی روشنی ہے داغِ پنہاں کی طرح
جلوہ گر پردے میں ہے شمعِ شبستاں کی طرح
چاہ میں بیٹھا ہے چھپ کر ماہِ کنعاں کی طرح

جھانک لیتا ہے جو یہ پردہ اُٹھا کر دور سے

دفعتہً معمور ہو جاتی ہے دُنیا نور سے

آسماں پر ابر اندھیری رات میں چھایا ہُوا
چاند کا چھپنا۔ نکلنا دل کو دیتا ہے مزا

ٹھنڈی ٹھنڈی چار جانب سنسناتی ہے ہَوا
دُور تک جاتی ہے سنّاٹے میں نغموں کی صدا

اپنے اپنے رنگ میں سب اہلِ محفل مست ہیں
شاخِ گل پر پہلوئے گل میں عنادل مست ہیں

عزیز

طلوع خورشید

جگہ پردۂ شب میں تاروں نے پائی
کھلا دفترِ شرحِ قدرت نمائی

بڑھا نور دریا میں اک لہر آئی
شفق نے ادھر سرخ بیرق دکھائی

ہوئی صُبح تا شہر میں آہ ڈوبی
اُدھر بحر میں کشتیٔ ماہ ڈوبی

تجلی نے کی اپنی صورت نمائی
بڑھی نہر میں اور بھی کچھ صفائی

نمایاں ہوا ایک قرصِ طلائی
ادھر جگمگائی خدا کی خدائی

کیا کیسہ زر کو گردوں نے خالی
چمکتی ہوئی اشرفی اک نکالی

ناظر

جوگی

کل صبح کے مطلعِ تاباں سے
جب عالم بُقعۂ نُور ہُوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے
خورشید کا نور ظہُور ہُوا
مستانہ ہوائے گُلشن تھی
جانانہ ادائے گُلبُن تھی
ہر وادی وادی ایمن تھی
ہر کوہ پہ جلوۂ طُور ہُوا
جب بادِ صبا مضراب بنی
ہر شاخ نہالِ رباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے
ہر سرو و سمن طنبُور ہُوا
سب طائرِ مل کر گانے لگے
عِرفاں کی تانیں اُڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے
دِل کش وہ سماعِ طیور ہُوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی
اَور بزمِ سُرور سجائی تھی
بَن میں گُلشن میں آنگن میں
فرشِ سنجاب و سمُور ہُوا
تھا دِل کش منظرِ دشت و جبل
اور چال صبا کی مستانہ
اس حال میں ایک پہاڑی پر
جا نکلا ناظِر دیوانہ

چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے
پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے
کوہر نے قنات لگائی تھی

یاں برف کے تودے گلتے تھے — چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے — نالوں نے دُھوم مچائی تھی
یاں قُلّہ کوہ پہ رہتا تھا — اِک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کی — اور انگ بھبُوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بِستر — اور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیبِ کمر — جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلقِ خدا سے بیگانہ — وہ مستِ قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ — آنکھوں میں مستی چھائی تھی

میاں بشیر احمد

آب جو

اے صدائے کوہسار اے آبجوئے نغمہ خواں — اے بہارِ حسن اے آئینۂ صد گلستاں
قطرے قطرے میں ترے پوشیدہ ہے اک سازِ برق — تیری ہر جنبش سے ہے گویا عیاں اندازِ برق
کس قدر پُرسوز و درد انگیز تیرا راگ ہے — بُجھ نہیں سکتی جو پانی سے بھی یہ وہ آگ ہے
گُلشنِ ہستی میں گو بہنے پہ تو مجبور ہے — اپنی مجبُوری پہ لیکن کس قدر مسرور ہے
جی میں آتا ہے کٹے صحبت میں تری زندگی — دور کر دے میری ظلمت کو تری تابندگی
آب جو میں تری موسیقی پہ سر دھنتا رہوں — سنگریزے ترے ساحل پہ سدا چنتا رہوں

میاں بشیر احمد بی اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا اڈیٹر ہمایوں لاہور

ہو کے آئینِ عمل کے راز سے آگاہ ہیں
دیکھ لوں آنکھوں سے اپنی زندگی کی راہیں

ارشد

سُہا

مختصر ہستی سے اپنی جو درخشاں تو ہے
ایک معیارِ بصیرت پئے انساں تو ہے
بزمِ انجم کے لئے ننھا سا مہماں تو ہے
نقطۂ نورِ دل وسعتِ امکاں تو ہے

اہل نظارہ پہ طاری جو یہ تاثیریں ہیں
تجھ میں کیا برقِ سر طور کی تنویریں ہیں

فرطِ رفعت سے، چراغ تہ داماں ہے کبھی
شب کے کاشانہ میں اک شمع فروزاں ہے کبھی
سامنے ہوتے ہوئے آنکھ سے پنہاں ہے کبھی
نگہِ شوق کے مرکز پہ نمایاں ہے کبھی

دُور سے جلوۂ اُمید نظر آتا ہے
ذرّہ بن کر ہمیں خورشید نظر آتا ہے

کبھی پرتو میں ترے ابر کی سیمینی ہے
کبھی منظر میں ترے برق کی زرّینی ہے
خود نمائی ہے کبھی اور کبھی خود بینی ہے
پھر بھی ہستی تری مستغنیِ رنگینی ہے

آئینہ آٹھ پہر پیشِ نظر رہتا ہے
ساتھ تیرے، ترا چھوٹا سا قمر رہتا ہے

ہم سمجھے تھے، نہیں کوئی مماثل تیرا
پاک جذباتِ حریفانہ سے ہے دل تیرا
اس بلندی پہ کہاں مدِّ مقابل تیرا
کوئی کر سکتا نہیں اوج یہ حاصل تیرا

کھل گیا راز مگر یہ کہ ترا ثانی ہے
شانِ تمکین تری وابستۂ حیرانی ہے

منفرد تو نہیں اندازِ خود آرائی میں
اور بھی کوئی ہے پنہاں تری پیدائی میں
مستتر رشک جو ہے نازشِ یکتائی میں
ایک لرزش ہے تقابل کی بھی رعنائی میں

اہلِ بینش سے تو مخفی نہیں مستور نہیں
منظرِ عام بھی لیکن تجھے منظور نہیں

ایسی پاکیزہ فضاؤں میں بھی مسموم ہے تو
لطف بشاشی کے احساس سے محروم ہے تو
ایک اندوہِ خفی رکھتا ہے مغموم ہے تو
آہِ خاموش کا صورت شدہ مفہوم ہے تو

حسرت آلودہ ترا جذبۂ خودداری ہے
ہے سُبک سیر، مگر وقفِ گرانباری ہے

خلوتِ غم سے نکل محفلِ ہستی میں در آ
کرۂ ارض کی ہنگامہ پرستی میں در آ
شوقِ رفعت سے گذر، عالمِ پستی میں در آ
چھوڑ بزمِ فلک، انسانوں کی بستی میں آ

دلِ عاشق میں سما نقش سویدا بن کر
رونقِ حسن ہو، خالِ رُخِ زیبا بن کر

ذوقی

باغباں کی لڑکی

ترا اندام سیمیں مخزنِ حسن و لطافت ہے
قیامت کا اثر پنہاں ہے چشمِ بے محابا میں
تری عصمت ابھی ناواقفِ لطفِ محبت ہے
تری سیرِ نظر محصور ہے پھولوں کی دنیا میں

تبسم رقص کرتا ہے ترے لبہائے لعلیں پر
تری زلفِ سیہ شانوں سے ہم آغوش رہتی ہے
بہاریں صدقہ ہوتی ہیں ترے رخسار رنگیں پر
تجلی تیرے جلووں کی وبالِ ہوش رہتی ہے
بہت پُر لطف ہے تیرے سکوتِ ناز کا منظر!
نگاہیں گفتگو کرتی ہیں تو خاموش رہتی ہے

ترے جذبات دل بیگانۂ عشق و محبت ہیں
تری معصومیت زینت دہ حسنِ حجازی ہے
تری رعنائیاں پروردۂ حسن و لطافت ہیں
تری رنگینیٔ رخسار صرف جلوہ سازی ہے

جگر

پپیہا اور پی کہاں

سامنے پیپل کی ٹہنی پر یہ بیٹھا آ کے کون؟
دیتا ہے آواز کس کو درد سے چلا کے کون؟

نالہ کش ہے فرقتِ دلبر کا صدمہ پا کے کون — "پی کہاں" رٹتا ہے تنہائی سے یوں گھبرا کے کون

کون خارِ دشتِ وحشت ہے پئے دامانِ ہوش

کس کی یہ آواز ہے غارت گرِ سامانِ ہوش

کس نے دِل کی ٹیس کو اِک آن میں چمکا دیا؟ — کِس نے اک دمِ آتشِ خاموش کو بھڑکا دیا؟

دفعتہً کِس نے دِل پُر درد کو برما دیا؟ — کِس نے کہکر "پی کہاں" اِک بارگی تڑپا دیا؟

تو پپیہے! کیا ہے؟ اک درسِ فنا آموز ہے

"پی کہاں" تیری شرارِ برقِ ہستی سوز ہے

آمدِ فصلِ بہاری کی خبر دیتا ہے تو — مژدۂ ایامِ عشرت در بدر دیتا ہے تو

سر کو سودائے جنوں انگیز گر دیتا ہے تو — جامِ دل کو بادۂ مستی سے بھر دیتا ہے تو

تیرے آنے سے ہوا معلوم آغازِ بسنت

"پی کہاں" سے آ رہی ہے صاف آوازِ بسنت

"پی کہاں" سے تو نے دامانِ ہوا کو بھر دیا — اک سرورِ روح پرور سے فضا کو بھر دیا

نشۂ صہبا سے ہر صوت و صدا کو بھر دیا — کیفِ مے سے عرصۂ ارض و سما کو بھر دیا

اے پپیہے! ساقیِ خمخانۂ مستی ہے تو

"پی کہاں" کی لَے سے سازِ نغمۂ ہستی ہے تو

صفحۂ ہستی پہ رنج و غم کی تو تحریر ہے — کاشفِ اسرارِ جانبازی تری تقریر ہے

تیری آوازِ فغاں اِک نالۂ شبگیر ہے — اے پپیہے! تو سراپا درد کی تصویر ہے

قطرۂ اشکِ تمنا خونِ صد ارمان ہے تو

مشہدِ امید و حسرت کشتۂ حرمان ہے تو

اپنے جسمِ ناتواں پر تجھ کو رحم آتا نہیں — جھک رہے ہیں جان و دل لیکن تو گھبراتا نہیں
فصلِ گل میں اک نفس آرام تو پاتا نہیں — تجھ سے بے فریاد و بے شیون رہا جاتا نہیں

مُشتِ پر ہستی تری اور اس پہ یہ سوزِ فراق
پھُونک دے تجھ کو نہ تپ سے گرمیٔ روزِ فراق

دوپہر ہو شام ہو یا رات ہو یا ہو سحر — چاہیے وہ کوئی گھڑی ہو چاہیے وہ کوئی پہر
تیز بارش ہو کہ بارش سے ہوا ہو تیز تر — تجھ کو بادل کی گرج کا ڈر نہ بجلی کا خطر

مُنھ کھُلا رہتا ہے تیرا "پی کہاں" کے واسطے
دِل مِلا ہے تجھ کو فریاد و فغاں کے واسطے

ہے زبان سوزِ دروں کی ترجمانی کے لئے — چشمِ پُرنم سیلِ گریہ کی روانی کے لئے
سینۂ بریاں طپش ہائے نہانی کے لئے — زندگی تیری ہے سوزِ جاودانی کے لئے

بیقراری سے نگاہِ دیدۂ بسمل ہے تو
اضطراب اعضا میں ہے گویا خود اپنا دل ہے تو

کتنا حسرت خیز ہے! ظالم ترا اندازِ درد — چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر تری آوازِ درد
مُردہ دِل کو ہے دمِ عیسیٰ ترا اعجازِ درد — ہر نفس ہمدردِ درد اور ہر صدا دمسازِ درد

نالۂ جاں سوز ہے آہِ دلِ ناشاد ہے
تو پپیہے! شمعِ خلوت خانۂ فریاد ہے

صوفیوں کی رہنما ہے تیری آوازِ فغان — رندِ مشرب سیکھتے ہیں تجھ سے اندازِ فغان
کاش! زاہد پر بھی کھل جائے ترا رازِ فغان — نُعرۂ ہو کھینچ کر دکھلائے اعجازِ فغان

اے پپیہے! تو ہے خضرِ منزلِ دیوانگی
تجھ سے ہے پُرنور شمعِ محفلِ دیوانگی

"پی کہاں" کی وہ صدائے دلکش اب آتی نہیں   تجھ سے میری روح اب اپنی غذا پاتی نہیں
تو ہے چپ تو کیا طبیعت تیری گھبراتی نہیں؟   پی کی یاد اب کیوں ترے دل پر ستم ڈھاتی نہیں

تیری فریاد و فغاں کی لے ہوا میں مل گئی
اِک صدائے سوز تھی سازِ فنا میں مل گئی

ننگ و غیرت کے فریبوں میں نہیں آتا ہے تو   ہوک اُٹھتی ہے ترے دل میں تو چلّاتا ہے تو
سوزِ پنہاں سے جگر میں آگ بھڑکاتا ہے تو   خود ہی اپنی آتشِ دل سے جلا جاتا ہے تو

دردِ دل تیرا نہیں شرمندۂ احسانِ ضبط
پھونک ڈالا آہِ آتش بار نے سامانِ ضبط

پھر گھٹائیں اودی اودی آسماں پر آگئیں   پھر ترے سر پر بلائیں کالی کالی چھا گئیں
آ کے پھر بے چینیاں تیرے جگر کو پا گئیں   اُٹھ کے پھر ہوکیں دلِ مضطر ترا برما گئیں

پھر وہی رٹ ہے تری غارت گرِ سامانِ جاں
"پی کہاں" "پھر پی کہاں" "پھر پی کہاں" "پھر پی کہاں"

خوش نما ہے ابر و برق و باد و باراں کا سماں   دِل کشا ہیں آسماں پر نیلی نیلی بدلیاں
ہے بہت فرحت فزا کوئل کی یہ کوکو یہاں   رُوح سب میں پھونکتا ہے تو یہ کہہ کر "پی کہاں"

کیفِ مستی بن کے ابر و باد میں شامل ہے تو
نو عروسِ فصلِ بارش کا پپیہا دل ہے تو

ہو گئی کوئل بھی ہم آہنگ تیرے ساز سے   پتّی پتّی رقص کرتی ہے تری آواز سے
مست ہے خلقت تری صوتِ نوا پرداز سے   کس پہ کیفیت نہیں طاری ترے اعجاز سے

کر رہے ہیں وجد دونوں کیا زمیں اکیا آسماں

ہاں سُنائے جا پپیہے نغمۂ سازِ فغاں

آم کے گُنجان باغوں ہیں یہ تو بولا کہیں
ابرِ غم میں گھر کے بار و تی ہے کوئی نازنیں

سُننے والوں کے دِلوں پر برچھیاں سی چل گئیں
ہوگئی بیزار قیدِ جسم سے جانِ حزیں

گو کہ برماتی ہے دِل کو آہ! آوازِ فغاں

جان کو ہے جان سے پیاری مگر "پی کہاں"

رو رہا ہے آہ بھر بھر کر کسی کی یاد میں
درد ہے نالوں میں تیرے سوز ہے فریاد میں

جوشِ اُلفت بھر گیا تیرے دِلِ ناشاد میں
تو ہے اک عشقِ مجسّم عالمِ ایجاد میں

اے پپیہے! مایۂ نازِ غمِ ہستی ہے تو

"پی کہاں" سے نغمۂ سازِ غمِ ہستی ہے تو

کس کے دردِ ہجر سے دن رات چِلّاتا ہے تو؟
کس کے آزارِ محبت میں گُھلا جاتا ہے تو؟

کس کی تو میں جل کے مُنہ سے آگ برساتا ہے تو؟
کس کے غم میں ہر گھڑی خونِ جگر کھاتا ہے تو؟

تو پپیہے! آہ! کس کا کُشتۂ بیداد ہے

کون ہے وہ پی؟ جو وجہِ نالہ و فریاد ہے

کس کی خاطر یہ ترا سوز و گدازِ عشق ہے؟
کون وہ معشوق ہے جس سے نیازِ عشق ہے؟

کیا بہارِ فصلِ گل ہنگامہ سازِ عشق ہے
ٹہنی، ٹہنی پر جو شورِ دل نوازِ عشق ہے

جلوہ گر کو تو نے جلوے سے جُدا سمجھا نہیں

محملِ لیلیٰ نگاہوں میں تری پردا نہیں

———— ٭٭٭ ————

عابد

نورِ سحر

گردوں کا وہ رنگ ماہتابی
وہ نورِ سحر کی لاجوابی

طائرِ سب چہچہا رہے ہیں
یا حمد کے گیت گا رہے ہیں

کیا ظلمت و نور مل رہے ہیں
باغوں میں پھول کھل رہے ہیں

نکھرا ہوا باغ تازگی میں
ڈوبا ہوا دل شگفتگی میں

ذرّے پُر نور ہو گئے ہیں
یعنی سب طور ہو گئے ہیں

وہ چشمۂ آب کا ترنّم
وہ فطرتِ حسن کا تبسّم

ہلکی ہلکی سی نور پاشی
لائیگی کہاں سے "صبح کاشی"

پودے شبنم سے تربتر ہیں
شفّاف یہ کس قدر گہر ہیں

موتی شبنم کے کھل گئے ہیں
چہرے پھولوں کے دھل گئے ہیں

یہ حسنِ خیال کا تماشہ
یہ شب کے زوال کا تماشہ

ہے عکس فگن جمالِ ہستی
ہے نورِ سحر کمالِ ہستی

عارف

دریائے راوی

ہے سکوتِ شب میں راوی ناز سے محوِ خرام
یا کوئی شمشیر صحرا میں پڑی ہے بے نیام

چاند کی کرنوں سے لہریں شوخیاں کرتی ہوئیں
ساحلِ خوددار کی اُلفت کا دم بھرتی ہوئیں

پتھروں سے بار بار آ کے ٹکراتی ہیں یہ
شاید اِس خاموش ویرانے میں گھبراتی ہیں یہ

کشتیاں ہیں نیل سطحِ آب پر بکھری ہوئی
کچھ اِدھر بکھری ہوئی ہیں کچھ اُدھر بکھری ہوئی

ہیں فضا میں منتشر آزاد ملاحوں کے گیت
کرتے ہیں دل پر اثر آزاد ملاحوں کے گیت

یہ کنارے پر مگر کس کا مزارِ پاک ہے
جس کے ماتم میں فرشتوں کا گریباں چاک ہے

یادگارِ عہدِ رفتہ ہے یہ ایوانِ کہن
ہے نمایاں ہر در و دیوار سے شانِ کہن

سو رہا ہے اس میں اک خوابیدہ اختر تاجدار
خاندانِ مغلیہ کا عدل پرور تاجدار

صاف آتی ہے نظر ٹوٹی ہوئی بارہ دری
رو رہا ہوں دیکھ کر ٹوٹی ہوئی بارہ دری

ایک فرسودہ عمارت کے کھنڈر ہیں سامنے
کر دیا پامال جس کو گردشِ ایام نے

وہ کھجوروں میں نہاں ہے آصف الدولہ کی قبر
شکوہ سنجِ آسماں ہے آصف الدولہ کی قبر

اور اس کے متصل نورِ جہاں کی قبر ہے
کعبۂ اربابِ دل نورِ جہاں کی قبر ہے

ہیں یہ سب سامان اے دل تیری عبرت کے لئے
سرمۂ عرفان ہے یہ چشمِ بصیرت کے لئے

فہمی

تنوعاتِ بہار

پھر جھوم کے وہ سحاب برسا | اترائے چمن شباب برسا
یوں رحمتِ کردگار برسی | پانی کے عوض بہار برسی
ہر قطرہ آبِ گل بدامن | ہر بوند کی کف میں روحِ گلشن

شورش سے فضا ہوئی ہم آغوش
پانی سے خلا ہوئی ہم آغوش

ظہیر

شبِ سیاہ

آخرِ سرما کی یہ پہلی اندھیری رات ہے
ایک اِک ذرّے پہ طاری عالمِ ظلمات ہے

جس طرف دیکھو عجب اندھیر ہے چھایا ہوا
پھر رہا ہے بادلوں میں چاند گھبرایا ہوا

ذرّہ ذرّہ پردۂ تاریک میں روپوش ہے
قطرہ قطرہ تیرگیٔ شب سے ہم آغوش ہے

کِس طرف دیکھیں کہاں جائیں کدھر ڈھونڈا کریں
رہنما ہی جب نہیں کوئی نگاہیں کیا کریں

شہباز[1]

بہاو

اُڑا طرزِ خرام البیلیوں سے
چلا آبِ رواں اٹھکھیلیوں سے

[1] پروفیسر شہباز کی نظم اگرچہ اس سے پہلے درج ہونا چاہئے تھی۔ مگر یہ نظم ہمیں اس وقت ملی کہ اس مجموعہ کی ترتیب و کتابت ختم ہو چکی تھی اس لئے مجبوراً اسے یہاں درج کرنا پڑا ۔ ۱۲

کھلانا، کھیلنا، ہنسنا، ہنسانا تھرکنا، ناچنا، گاتا، بجانا
مٹکنا، جھومنا، تننا، اکڑنا، گرجنا، گونجنا، بننا، بگڑنا
جھنکنا، جھلملاتا، جگمگانا، پھسلنا، لڑکھڑاتا، ڈگمگانا
دکھانا زور، غل کرنا، کڑکنا مچانا شور، ڈانٹ اُٹھنا، جھڑکنا
لپکنا، دوڑنا، پھرتی دکھانا اُچھلنا، کودنا، چکر لگانا
اُچکنا، پھاندنا، گرنا، لڑھکنا، جھجکنا، روٹھنا، بھڑنا، بھڑکنا،
مچلنا، پاؤں پھیلانا، بلکنا، سہمنا، کانپنا، رونا، سسکنا
لرزنا، تھرتھراتا، تلملانا، بلکنا، بلبلانا، گڑگڑانا
سمٹنا، پھیلنا، مُڑنا، مُڑانا، اُبھرنا، ڈوبنا، اُڑنا، اُڑانا
کترنا، چھانٹنا، پُرزے اڑانا کچلنا، کوٹنا، چھکے چھڑانا
گریباں چاک کرنا، سر ٹپکنا رگڑنا ایڑیاں، دامن جھٹکنا،
کھسکنا، بھاگنا، رُکنا، ٹھہرنا، جھٹکنا، جھاڑنا، بنتا، سنورنا،
لپٹنا، چھیڑنا، چھونا، چھلانا، چھڑکنا، چھینٹنا، دھونا، دُھلانا
کبھی ڈنڈ پیلنا، جوڑی ہلانا، کبھی خم ٹھونکنا، تیوری چڑھانا
پہاڑوں کا کہیں دامن دبانا درختوں کی کہیں شاخیں چبانا
صدف میں گوہر نایاب بھرنا گہر کی شیشیوں میں آب بھرنا
اُلجھنا خار سے، گل سے اٹکنا پچکنا، پھولنا، دبنا، سٹکنا
کٹر بجرے کو مرغابی بنانا بشر کو مردم آبی بنانا
جھُولانا، جھولنا، پینگیں بڑھانا، کڑکنا، چیخنا، تانیں لگانا

بھک پڑتا، سنکتا، سنسناتا
اُچک پڑتا، لپکتا، دندناتا،
بڑھاتا ہر طرف موجوں پہ موجیں
چڑھاتا چار سو فوجوں پہ فوجیں
گراتا، پھبکتا، چھنتا، اُٹھاتا
چمٹتا، چومتا، پلتا، سماتا
کبھی پتھر سے ٹکراتا ہُوا سر
کبھی ذرّوں پہ چمکاتا ہُوا زر
نگینے سنگ ریزوں کے بناتا
طلسمی سُرمہ آنکھوں میں لگاتا
ہزاروں تازہ دم چشموں سے ملتا
کروڑوں پیارے ہم چشموں سے ملتا
جلو میں ندیوں نالوں کو لیتا
کروڑوں کشتیاں اُلفت کی کھیتا

بنا آبِ رواں اِک قلزم جوش
ہوا آخر سمندر سے ہم آغوش

خلیق

برسات کی بہار

موتی برسانے کو آئی ہے گھٹا ساون کی
ابرِ دُر بار نے باندھی ہے ہوا ساون کی
زیبِ بر سبزۂ تر کے ہے قبا ساون کی
روئے گلشن سے برستی ہے فضا ساون کی
جلوۂ رحمت حق بنکے بہار آئی ہے
فصلِ گُل ساتھ لیے پھولوں کے ہار آئی ہے
گلشن دہر پہ ہے سایہ دامانِ بہار
پردۂ غیب سے ظاہر ہوئے سامانِ بہار
چشم بد دور۔ دو بالا نہ ہو کیوں شانِ بہار
بارش ابر کرم بن گئی ہے جانِ ،،

غیرتِ دامن گلزار بیابان ہوئے — یعنی جنگل میں بھی منگل کے ہیں ساماں ہوئے

ابرِ رحمت کے جو چھینٹوں سے زمیں ہے سیراب — کہیں کھیتی ہے ہری ہیں کہیں جنگل شاداب

ہیں بصد جوش کہیں آپے سے باہر تالاب — لبِ دریا ہیں کہیں پھول کنول کے خوش آب

جھولتے ہیں سمن اندام کہیں جھولوں میں — ڈالیاں نخل کی ملتی ہیں کہیں پھولوں میں

جس طرف دیکھئے آتی ہے نظر ہریالی — پتہ پتہ ہے ہرا سبز ہے ڈالی ڈالی

پھول کی بادۂ شبنم سے بھری ہے پیالی — چشمِ نرگس بھی ابھی دور کی ہے متوالی

مستیٔ حسن کے ہیں نازِ بہارِ گل میں — نشۂ مے کے ہیں انداز بہارِ گل میں

دستِ مشاطۂ قدرت نے کیا ہے جو نکھار — آبِ آئینہ سے بڑھ کر ہے رخِ گل کا نکھار

قابلِ دید ہے غنچوں کے تبسم کی بہار — سیرِ گلشن سے خلیق ہوتی ہیں آنکھیں سرشار

موسمِ گل میں ہیں ہر سمت غضب کے جلوے — حق تو یہ ہے کہ ہیں یہ قدرتِ رب کے جلوے

اُردو مرکز کی خدمات کے متعلق

مشاہیرِ مُلک کی رائیں

خان بہادر ڈاکٹر سر محمد شفیع کے سی ۔ ایس آئی سی آئی ای

ایل ایل ڈی ۔ ڈی لٹ سابق وزیر تعلیم گورنمنٹ ہند

مزنگ روڈ لاہور

۱۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء

مَیں مولٰینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر ڈی ایس کالج کا تہ دل سے مشکور ہوں ۔ کہ اُنہوں نے مجھے اردو مرکز کی مطبوعہ چند جلدیں ہدیہ کرکے اس بات کا موقعہ دیا کہ مَیں اس نئی تحریک کے مقاصد اور کام کیمتعلق رائے قائم کرسکوں ۔ یہ جلدیں اردو مرکز کے مقصدِ اوّل یعنے "اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اس جاندار اور مفید حصّہ کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے ۔ حتی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا" کے حصول میں احتیاط کے ساتھ مرتب کرنے کے بعد شائع کی گئی ہیں اور اردو لٹریچر میں یقیناً ایک قابل قدر رتبہ حاصل کریں گی ۔ اُردو نظم و نثر میں سے جس طرح مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے ۔ وہ نہایت مستحسن ہے ۔ اور ان اشاعات کو دلچسپ بنانے کے لئے مختلف مصنّفین اور شاعروں کی

خوشنما تصاویر مضامین کی خوبی کو دوبالا کرتی ہیں۔ مَیں اُردو مرکز کو اُن کے مساعیٔ جمیلہ کی اس کامیاب ابتدا پر مبارکباد دیتا ہوں۔ میری رائے ناقص میں اہلِ زبان و دیگر شائقین اردو کا فرض ہے کہ اِس تحریک کو کامیاب بنانے میں امداد کریں۔

خان بہادر شیخ سر عبدالقادر بی اے بار ایٹ لاء

اُردو مرکز لائبریری

ادب اردو کے بہترین نمونے ایک سلسلہ کتب کی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ اور اِس سلسلے کا نام "اردو مرکز لائبریری" رکھا گیا ہے۔ نام تو ایسا خوبصورت نہیں۔ مگر سلسلہ خود بہت پسندیدہ ہے۔ کچھ عرصہ ہُوا۔ مولینا تاجور صاحب نجیب آبادی کی کوشش سے ادیبوں کی ایک جماعت لاہور میں قائم ہوئی جس نے یہ تہیہ کیا۔ کہ اردو نظم ونثر کے علمی وادبی خزانے سے کچھ بے بہا چیزیں یکجا کر کے اردو خوان دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اِس مرکز کا نام "اردو مرکز" تجویز ہُوا۔ صوبجات متحدہ سے بعض نامور ادیب بھی آ گر مولینا تاجور اور ان کے رفقائے پنجاب کے شریک کار ہوئے۔ اور اُنہوں نے نہایت جانفشانی سے نظم ونثر کے عمدہ انتخابات فراہم کیئے۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ فی الحال تیس جلدوں میں شائع ہُوا

ہے۔ ان میں ایک سلسلہ گیارہ جلدوں کا ہے۔ جس میں مختصر فسانے یا فسانوں کے ٹکڑے ہیں۔ دوسرا سلسلہ تیرہ جلدوں کا ہے۔ اس میں مرثیوں کے ایسے حصّے ہیں۔ جو عام ادبی دلچسپی کے لحاظ سے نظم اردو کی جان ہیں۔ ۶ جلدیں دیگر اصناف نظم کے انتخابات کے لئے وقف کی گئی ہیں اور ایک جلد میں زمانۂ حال کے ایک نامی ادیب جناب جگت موہن لال صاحب رواںؔ کی رباعیات ہیں۔ ہر جلد بالاوسط کوئی ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب ہے جس میں کاغذ کتابت اور چھپائی کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔ اور ہر کتاب میں مشہور مصنّفین اردو کی تصویریں ہیں۔ جو اس کی دلآویزی کو بڑھاتی ہیں۔ ہر سلسلے کی پہلی جلد کے شروع میں اس مضمون کے متعلّق ایک دلچسپ دیباچہ ہے۔ اِن خصوصیات کے لحاظ سے یہ "لائبریری" اپنی طرز کا پہلا مجموعۂ کتب ہے۔ جو ہندوستان میں شائع ہُوا ہے۔ امید ہے کہ صاحبانِ ذوق اسکی قدردانی میں ویسی ہی فراخ حوصلگی دکھائینگے۔ جس قدر اسکے جمع کرنے والوں اور شائع کرنے والوں نے دکھائی ہے۔ اس کی اشاعت کا بوجھ تمام تر میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز" کے علم دوست اور مستعد مالکان نے اپنے ذمہّ لیا ہے۔ اور اس سلسلے کو دل پذیر بنانے کے لئے انہوں نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا ہے۔ ادب اردو پر اُن کا یہ احسان قابل قدر ہے۔ اور مولینا تاجور اور ان کے رفقائے کار کی یہ ادبی خدمت اردو زبان کے سب دوستوں اور خیر خواہوں کے دلی شکریہ کی مستحق ہے۔

اُردو مرکز کے اراکین وقتاً فوقتاً اِس تجویز کے متعلق انتخابات کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیتے رہے ہیں اور گو مجھ سے کوئی معتدبہ خدمت اِن کی بن نہیں

پڑی۔ تاہم یہ میرے لئے باعث مسرت ہے۔ کہ ایسے مفید کام میں شرکت کا
موقع مجھے بھی میسر آیا ◆

خان بہادر نواب سید اشرف الدین احمد۔ سی آئی۔ ای۔

ممبر لیجسلیٹو اسمبلی۔ فیلو کلکتہ یونیورسٹی

ملک کی مشہور علمی سوسائٹی " اردو مرکز لاہور" آنریبل سر عبدالقادر کی زیر ہدایت اور
پروفیسر تاجور ایڈیٹر اخبار اتحاد کی زیر نگرانی اردو زبان کی جو گراں مایہ خدمات انجام دے رہی
ہے۔ قابل صد ہزار تحسین و آفرین ہے۔ تمام اردو لٹریچر کا ترتیب تاریخی کو ملحوظ رکھ کر انتخاب
کرنا درحقیقت اردو زبان کا ایک مکمل اور جامع انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کے ہم معنی ہے۔
اردو مرکز کا یہ علمی پروگرام نہایت شاندار ہے۔ مگر اس سے زیادہ شاندار جماعت اردو
مرکز کا نمود و شہرت سے دور رہ کر اس کام کی تکمیل کے لئے خاموش انہماک ہے۔
اردو دنیا عام طور پر اردو مرکز کی ہستی سے اس، لئے بے خبر تھی۔ کہ اس سوسائٹی کی جانب
سے لمبے لمبے رعب انگیز اعلان نہیں شائع کئے گئے تھے۔ ان اعلانات کی بجائے اچانک
اور غیر متوقع طور پر اس کے کام کی پہلی قسط تئیس مجلدات کی صورت میں ملک کے سامنے
پیش کی جارہی ہے۔ مجھے یہ مفید تالیفات دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ میں کہہ

سکتا ہوں کہ اردو مرکز اگر اپنی پوری زندگی میں بھی صرف یہی مجلدات شائع کرتا۔ تو وہ اپنے لیئے عزّت دوام حاصل کر سکتا تھا۔ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں لٹریچر کا انتخاب درحقیقت اُن زبانوں کی زندگی کا حاصل ہوا کرتا ہے۔ اردو مرکز کے انتخابی نظام کے ذریعے اردو زبان کے شرائین میں روح زندگی پھونکی جا رہی ہے۔

اردو ادب کے اس پروگرام کی تکمیل پر اندازہ ہو سکے گا۔ کہ اردو زبان نے اپنے کس کس شعبے میں کیا کیا ترقیاں کی ہیں۔ اور کونسا شعبہ تشنۂ ارتقا ہے۔ اسی کے ساتھ اردو مصنّفین اردو مرکز کے مجلدات کی موجودگی میں کتب خانوں کی حوصلہ شکن جستجو و تلاش سے بے نیاز ہو جائینگے۔ اردو دنیا اردو مرکز کی ان انمول اور بے پایاں خدمات کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اسی کے ساتھ میسرز عطرچند کپور اینڈ سنز کی فرم بھی جو اردو لٹریچر کے اس بے بہا انتخاب پر پانی کی طرح اپنا روپیہ صرف کر رہی ہے۔ تمام ہی خواہان اردو کے شکریوں کی مستحق ہے۔

ڈاکٹر شیخ محمّد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

۱۸ر جنوری سنہ ۱۹۲۸ء

لاہور میں "اُردو مرکز" کے نام سے ایک علمی اکاڈمی قائم ہوئی ہے جس نے اُردو ادب کی خدمت کو اپنے ذمّے لیا ہے۔ اِس اکاڈمی کے اراکین یوپی اور پنجاب کے بعض سرگرم ادیب اور شاعر ہیں۔ اپنے دائرۂ عمل میں انہوں نے اُردو ادب کی اشاعت کے کام کو سب سے

زیادہ اہمیت دی ہے چنانچہ اسوقت زرکثیر کے صرف سے انہوں نے ایک سلسلہ کتابوں کا شائع کرایا ہے جنمیں اُردو نظم و نثر کا عمدہ انتخاب مندرج ہے۔ حصّۂ نظم کے سلسلے کا نام "پیام زندگی" ہے۔ اور اس سلسلے میں اب تک تیرہ جلدیں چھپی ہیں جن میں لکھنؤ کے مشہور اساتذہ کے مراثی کے انتخابات بلحاظ مضامین کیے گئے ہیں۔ حصّۂ نثر کا سلسلہ "منتخب افسانے" کے نام سے موسوم ہے جس میں گیارہ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ اور ان میں زبان اُردو کے مشہور اور مستند افسانہ نویسوں کے نتائج طبع درج ہیں۔ میری رائے میں اس نظم و نثر کے انتخاب کرتے میں ارا کین اُردو مرکز نے اپنی محنت اور عمدہ مذاق کا ثبوت دیا ہے۔ طباعت بھی اچھی ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ آیندہ جو سلسلے شائع ہونگے ان میں اُردو ادب کے دوسرے شعبوں کے انتخابات درج ہوں گے حتیٰ کہ علوم طبیعی اور فلسفی کو بھی شامل کیا جائے گا۔ میرے خیال میں یہ سلسلۂ کتب پبلک کیلئے مفید ثابت ہوگا۔ اور اُردو خواں نوجوانوں میں اُردو ادب کا اچھا اور صحیح مذاق پیدا کرے گا۔

میسرز عطرچند کپور اینڈ سنز جو اس سلسلۂ کتب کے پبلشر ہیں مستحق تحسین ہیں۔ کہ انہوں نے اشاعت کا سارا خرچ اپنے سر لیا ہے۔ اور اب تک وہ تیس جلدوں کی اشاعت میں (جیسا کہ ممبران اردو مرکز کا بیان ہے) پچاس ہزار روپیہ کی خطیر رقم صرف کر چکے ہیں۔

علامہ ڈاکٹر عبداللہ یوسف علی ایم اے ایل ایل ایم ایل ایل ڈی

مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔ کہ اردو کی خدمت کے سلسلے میں اردو مرکز قابل قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اس کی مساعی جمیلہ کا پہلا نتیجہ دو درجن سے زیادہ مجلدات کی صورت میں پبلک کے سامنے آ رہا ہے۔ اردو مرکز کے اغراض کی پوری تفصیل اس کے چیف ایڈیٹر مولینا تاجور کے عالمانہ مقدمے میں درج ہے۔ جو ہر سلسلہ مجلدات کی پہلی جلد کے شروع میں درج کیا گیا ہے۔ مولینا نے موثر الفاظ میں دکھلایا ہے۔ کہ اردو کی موجودہ حالت اس قدر گری ہوئی کیوں ہے اس حالت کی اصلاح کے لئے انہوں نے جو تجویز سوچی ہے۔ وہ ہر طرح قابل تعریف ہے +

میں نے مختلف سلسلوں کی بعض کتابوں کا سرسری طور پر مطالعہ کیا ہے۔ منتخب افسانوں کے سلسلے میں گیارہ جلدیں تیار ہو چکی ہیں۔ ان میں مختلف مصنفوں کے مختصر افسانے درج کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی جلد میں ایک مقدمہ از جانب کارکنان اردو مرکز دیا گیا ہے۔ جس میں افسانہ نگاری کی تاریخ اور ہندوستان میں اس فن کے نشو و ارتقا نیز اس کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انتخاب کے اصول اور طریقہ ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان اردو مرکز نے بہت محنت و جانفشانی سے موجودہ افسانہ نگاروں کی تصنیفات کا انتخاب ناظرین کیلئے مرتب کیا ہے میری ذاتی رائے میں انکا طریقہ ترتیب کسی قدر قابل غور ہے۔ مگر ہر ذمہ دار جماعت اپنے خاص اصول کے مطابق اپنی تالیفات کو ترتیب دے سکتی ہے۔ اور اس کے

اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نتیجہ قابلِ اطمینان پایا جاتا ہے۔ اکثر مصنّفین کی تصویریں بھی کتاب میں دی گئی ہیں +

صنفِ مراثی میں آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اِس سلسلہ کے شروع میں مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ اور مرثیہ کے عناصر ترکیبی پر مشتمل ایک مقدمہ درج ہے۔ ہر عنصر یا مضمون کے متعلق خاص خاص حِصّے منتخب کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جلد شہادت حضرت امام حسینؑ کے متعلق دوسری اور تیسری حضرت عبّاس کے متعلق اور چوتھی اور پانچویں حضرت علی اکبر کے متعلق اور باقی تین جلدیں حضرات عون و محمدؑ اور حضرت حر کے متعلق مرتب ہو چکی ہیں +

ایک اور سلسلہ رباعیات کا ہے۔ جس کی پہلی جلد رباعیات رواں پر مشتمل ہے۔ اور کارکناں کا ارادہ ہے۔ کہ دوسرے شعرا کی رباعیات بھی پبلک کے سامنے پیش کی جائیں +

میری رائے میں ان مختلف سلسلوں کی اشاعت سے اُردو کی بڑی خدمت سرانجام دی گئی ہے۔ انتخابات سے ناظرین میں اس امر کا میلان بھی پیدا ہوگا۔ کہ مختلف مصنّفین کی مکمّل تالیفات کا مطالعہ کیا جائے۔ اور اس طرح اُردو ادبیات کا پورا لطف اُٹھایا جائے۔ میری رائے میں اصل کتاب کا مطالعہ بہ مقابلہ انتخابات کے زیادہ پُراثر ہوتا ہے +

مجھکو اس امر سے بھی نہایت مسرت ہوئی۔ کہ اِن مجلدات کے پبلشر زمیسرز عطرچند کپور اینڈ سنز نے ایک کافی سرمایہ اس کام پر صرف کیا ہے اگر ان کی حوصلہ افزائی ہوئی تو آیندہ اِن سے اُردو کی خدمت کے متعلق اور بہت کچھ امید ہو سکتی ہے +